73 Muzzammil Makky Aayaath 20

سُورَہ مُزَمِّل

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۲۰) آیتیں ہیں

سورت مزمل کو ماقبل سورت جنّ سے ربط و مناسبت کئی وجوہ سے ہے :۔

ا۔ سورہ جنّ میں رسولوں (پیغمبروں) کا ذکر آیا تھا اس سورت شریفہ میں سید المرسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا بیان ہے۔ گویا بیان ماسبق کا تکملہ فرمایا جارہا ہے۔

۲۔ اس سورۃ شریفہ کے آغاز میں قُمِ اللَّيْلَ کا حکم سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہو رہا ہے۔ اور سورہ جن میں گزر چکا ہے قام عبد اللہ یدعوہ۔ اللہ سبحانہ کے عبد کامل حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نماز میں قیام فرماتے اور مشغول دعا ومناجات رہتے ہیں۔ مناسبت ظاہر ہے۔

۳۔ سورہ جن میں یہ بھی ارشاد ہوا تھا :۔ وانّ المساجد للہ۔ مسجدیں یا ساری زمین یا اعضائے سجود اللہ سبحانہ کے لئے مخصوص ہیں لہٰذا اللہ کیا تھ اور کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ یہاں اس حکم کی تعمیل وتکمیل کیلئے ہدایت فرمائی جارہی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

73-1
73-2
73-3
73-4
یٰۤاَیُّہَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصۡفَہٗۤ اَوِ انۡقُصۡ
مِنۡہُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾ اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾ اے کپڑوں میں

لپٹنے والے! اٹھا کرو رات کو مگر تھوڑا حصہ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو یا اس پر کچھ
بڑھاؤ اور پڑھتے رہو قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر صاف۔

شانِ نزول یہ سورت شریفہ اور اس کے بعد کی سورت کریمۂ قرآن کریم کی ابتدائی سورتوں میں شامل ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ غار حرا میں ابتداءً جب آپ پر وحی نازل ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں نمودار ہوئے تھے کہ ان کے چھ سو پر و بازو تھے۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب اور زمین سے آسمان تک ساری فضا آپ کے وجود سے بھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی یکایک اتنی بڑی مخلوق کا مشاہدہ فرماتے ہی آپ پر غیر معمولی رعب طاری ہوا جو اقتضائے بشریت تھا تفصیلی واقعہ سورۂ اقرأ کی تفسیر میں انشاء اللہ آئیگا۔ آپ وہاں سے فارغ ہو کر ام المؤمنین سیدتنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا عنا کے ہاں تشریف لائے تو آپ کا جسد مبارک کانپ رہا تھا۔ زمّلونی زمّلونی فرمانے لگے کہ مجھ پر

کپڑا اڑھادو مجھے کپڑا اڑھادو۔" چنانچہ کپڑا اڑھادیا گیا اور آپ اس میں لپٹے رہے۔
یہ صورت حال اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بہت پسند آئی۔ چنانچہ اس کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام
دوبارہ وحی لیکر آئے تو آپ کی تسکین خاطر اور تسلی کے لئے یوں خطاب فرمایا گیا:۔ یٰۤاَیُّھَا
الْمُزَّمِّلُ ۔ اے چادر میں خود کو لپیٹنے والے! (اے ردائے نبوت وچادر رسالت کے حامل
و لائق!") بلکہ اس کے بعد کی سورۂ کریمہ میں بھی اسی مضمون وصورت حال کو بالفاظ
دیگر یوں فرمایا گیا:۔ یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۔ اے لحاف میں لپٹنے والے!" سبحان اللہ!
کیا مبارک خطاب اور کیسے پیارے القاب ہیں۔ صلوا علیہ وآلہ۔

دوسرا واقعہ مفسرین کرام نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا:۔

اجتمعت قریش فی دار الندوۃ فقالت سموا ھذا الرجل اسما یصد الناس
عنہ قالوا کاھن قالوا لیس بکاھن قالوا مجنون قالوا لیس بمجنون
قالوا ساحر قالوا لیس بساحر قالوا یفرق بین الحبیب وحبیبہ
فتفرق المشرکون علی ذلک فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فتزمل فی ثیابہ وتدثر فیھا فاتاہ جبریل فقال یا ایھا المزمل
یا ایھا المدثر۔ (بزار، طبرانی، ابونعیم) قریش دار الندوہ میں جمع ہو کر ایک دفعہ کہنے لگے کہ
ان کا کوئی ایسا نام تجویز کرو کہ لوگ ان سے برگشتہ ہو جائیں۔ کسی نے کہا۔ کاھن نام رکھو۔

(اٹکل پر آئندہ کی خبریں سنانے والے) قریش نے کہا یہ کاھن نہیں ہیں۔ ایک نے کہا مجنون کہا کرو (یہ دیوانے ہوگئے ہیں) قریش نے کہا یہ دیوانے بھی نہیں ہیں پھر ایک نے کہا ساحر کہہ کر بلایا کرو۔ (یعنی یہ جادوگر ہیں) سبھوں نے کہا یہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ آخر پر ایک نے کہا یوں شہرت دے دو کہ یہ دوستوں میں پھوٹ ڈالتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہوا اور مجلس برخاست ہوئی۔ جب اس کی خبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو آپ (رنجیدہ ہوکر) لحاف اوڑھے ہوئے لیٹ گئے۔ اتنے میں حضرت جبرئیلؑ حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور حضور کو یٰایّھا المزمّل اور یٰایّھا المدثّر کے مبارک القاب سے منجانب اللہ مخاطب فرمایا۔"

خطاب شفقت کی ایک مثال یعنی یہ خطاب شفقت و رافت ہے کہ کفار کے ایسے خطابات سے کچھ نہیں ہوسکتا۔ آپ دوستوں میں پھوٹ نہیں ڈالتے ہیں بلکہ دوستی کے اصول سمجھاتے ہیں کہ دوستی کی بنیاد کن امور پر ہونی چاہیئے۔ کن سے دوستی قائم کیجائے اور کن کن سے قطع تعلق کیا جائے۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے فرمایا جبکہ آپ میں اور آپ کے محل عالیہ حضرت خاتونؑ جنت میں کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی تو آپ سیدھے مسجد نبوی میں آئے اور فرش زمین پر لیٹ گئے اور مٹی آپ کی پشت مبارک پر لگ گئی اس وقت

حضور اکرم رحمت عالم نے فرمایا:۔ قم یا ابا تراب :۔ اے خاک نشیں! اٹھو۔
یہ فرماتے جاتے تھے اور اپنے دست مبارک سے مٹی صاف فرماتے تھے۔ حضرت شیر خدا
فرمایا کرتے تھے کہ میرے سب القاب میں مجھے ابوتراب بہت پسند ہے۔

ابتدائی آیات کی تفسیر بہرحال ارشاد ہو رہا ہے، اے کپڑوں میں لپٹنے والے!
رات کو اٹھو۔ یعنی قیام لیل کرو۔ راتوں کو نمازیں پڑھو تاکہ قرب الٰہی حاصل ہو۔ ظاہر
ہے کہ پوری رات کا قیام دشوار تھا اس لئے اس کا ایک حصہ مستثنیٰ قرار دیا گیا اِلّا
قلیلا۔ مگر تھوڑا حصہ کہ اپنے آرام کے لئے رکھ چھوڑئیے۔ پھر اس قلیل کی وضاحت
یوں فرمائی گئی نِصْفَهٗ۔ نصف شب۔ یعنی رات جو غروب آفتاب سے صبح صادق
تک ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیجئے۔ ایک آرام کے لئے تو دوسرا نماز کیلئے۔ پھر یہ
تقسیم بھی ٹھیک طور پر دشوار تھی تو اس میں یہ سہولت دی گئی او انقص منہ قلیلا
او زد علیہ۔ یا اس میں سے کچھ کم کیجئے یا اس پر کچھ بڑھا دیجئے۔ یعنی کبھی نصف سے کم
قیام رہا تو مضائقہ نہیں۔ دوسرے وقت نصف سے کچھ بڑھا دیا کیجئے۔ جس سے
اوسط قیام نصف شب کا برقرار رہے۔ نصف سے کچھ کم قیام ہو تو ثلث شب قیام ہوگا
اور اگر نصف سے کچھ بڑھ جائے تو دو تہائی رات قیام رہیگا۔ بہرحال ثلث یا نصف
یا دو تہائی رات کا قیام باعتبار حالات جاری رکھئے۔

حضور اور صحابہ کا قیام اللیل سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضورؐ اکرم کے قیام لیل کی کیفیت دریافت کی تو فرمایا کیا تم نے سورۂ مزمل نہیں پڑھا؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں، میں تو پڑھتا رہتا ہوں۔ اس پر فرمانے لگیں:۔ ان اللّٰہ قد افترض قیام اللیل فی ھذہ السورۃ فقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واصحابہ حولاً حتی انتفخت اقدامھم وامسك اللّٰہ خاتمتھا فی السماء عشر شھراً ثم انزل اللّٰہ التخفیف فی آخر ھذہ السورۃ فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ۔ (امام احمدؒ مسلم، ابوداؤد، نسائی، محمد بن نصر، بیہقی) اللّٰہ سبحانہ نے اس سورت شریفہ میں قیام لیل کو فرض قرار دیا جس کی تعمیل میں حضرت رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ نے سال بھر تک قیام لیل کیا جس کے نتیجہ میں ان کے پاؤں متورم ہو گئے۔ اور اللّٰہ سبحانہ نے اس سورہ کی آخری آیتیں دس مہینے تک روک رکھیں پھر ان آخری آیات کے ذریعہ تخفیف وسہولت نازل فرمائی۔ اب قیام لیل بجائے فرض کے (امت کے حق میں) نفل قرار پایا۔" اور حضور پر بدستور فرض رہا بموجب فتھجد بہ نافلۃ لك۔

قیام لیل اور صحابہ کرام حضرت سعید بن جبیرؓ کی روایت میں دس مہینے کی جگہ دس سال تک۔ اس طرح قیام لیل جاری رہتا آیا ہے جس کو عبد بن حمید، ابن جریر اور

ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے:۔ نزلت سورۃ المزمّل بمکۃ الّا آیتین ان ربک یعلم انک تقوم ادنی۔ (نحاس) سورۂ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہوا مگر (آخری) دو آیتیں ان ربک یعلم انک تقوم ادنی (سے آخر سورۃ تک مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں)۔"

صحابہ کرامؓ کا اہتمام ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ کان الرجل یربط الحبل ویتعلق۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) قیام لیل جس زمانے میں فرض تھا ایک ایک شخص (مکان کی چھت سے) رسی باندھ لیتا اور اس سے خود کو معلق کر لیتا تھا۔" تاکہ اگر نیند کا غلبہ ہو تو اس کے جھٹکے سے بیدار ہو جائے اور ادائے فرض کا سلسلہ جاری رکھے۔ جیسا شوقین محنتی طلبہ امتحانات کی تیاری میں یہ طریقہ آج بھی اختیار کرتے ہیں۔ یہ بیان تو شب بیداری اور قیام لیل کا ہوا کہ ادائے فرض کا اہتمام سابقین اولین کو کس درجہ محبوب تھا۔ اب ارشاد باری تعالی ورتّل القرآن ترتیلا کی تعمیل کا حال ملاحظہ ہو جس میں امر الٰہی ہوا ہے کہ نماز میں کھڑے رہ کر قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھے جاؤ۔"

ترتیل کی تفسیر ترتیل کے معنی ہیں سکون واطمینان کیساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اس طرح کہ ہر ایک حرف سننے اور سمجھنے میں آئے۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ ہر حرف

اپنے مخرج سے اپنی پوری صفات کیسا تھ زبان سے بے تکلف نکلے۔ ایک حرف دوسرے حرف میں مخلوط نہ ہو جس سے سننے والے کو اشتباہ رہ جائے کہ اَ پڑھا یا عَ۔ تَ پڑھا یا طَ۔ ثَ پڑھا یا سَ یا صَ، حَ پڑھا یا ھَ۔ خَ پڑھا یا قَ یا كَ۔ ذَ پڑھا یا زَ یا ضَ یا ظَ ؏

ترتیل کی دوسری تفسیر

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورتّل القرآن ترتیلا کی تفسیر دریافت کی گئی تو ارشاد ہوا:۔ بیّنہ تبیینا ولا تنثر نثر الدقل ولا تھذّہ ھذّ الشعر۔ قفوا عند عجائبہ وحرّکوا بہ القلوب ولا یکن ھمّ احدکم آخر السورۃ (عکری)

؏ تجوید ایک مستقل فن ہے جس طرح قرآن کریم کو استاد سے سیکھتے ہیں اسکی قرأت وتجوید کو بھی استاد سے سیکھنا ضروری ہے۔ پورے علم کی تحصیل اور اس میں کمال حاصل کرنا واجب نہیں لیکن قدر ما یجوز بہ الصلاۃ یعنی اتنی مقدار جس سے نماز جائز ہوسکے سیکھنا ضروری ہے۔ اور ہر بستی میں کم از کم ایک شخص ایسا رہنا چاہیے جو اس فن کا تحصیل یافتہ ہو۔ جیسے علم دین کا حکم ہے کہ ہر انسان کا عالم دین ہونا واجب نہیں لیکن بقدر ضرورت احکام ومسائل کا سیکھنا واجب ہے۔ نیز اس کے ساتھ ہر بستی میں ایک عالم دین کا موجود رہنا ضروری ہے جو دینی معاملات میں مسلمانوں کی رہبری کرسکے“

قرآن کریم کو صاف صاف واضح طور پر پڑھا کرو ردی کھجوریں جس طرح پھینک دی جاتی ہیں اس طرح بکھیر دو نہیں۔ اور نہ جس طرح اشعار تیزی سے جلد جلد سنا دئے جاتے ہیں ایسی تیزی اور سرعت سے کام نہ لو اس کے پسندیدہ مستحسن بیانات پر وقف کرتے جاؤ۔ اور اس کے ذریعہ دلوں میں تحریک و تاثیر پیدا کرو۔ اور کسی طرح سورہ ختم کر دینے کی دھن نہ ہو۔" حضرات عبداللہ بن مسعودؓ اور ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (بغوی دیلمی)۔

تیسری تفسیر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت مبارک کی کیفیت دریافت کی گئی تو ام المومنین نے اوس کا نمونہ پڑھکر بتایا:—

فاذا ھی تنعت قراءۃ مفسرۃ حرفاً حرفاً۔ (ترمذی ابوداؤد نسائی) وہ قراءت ایسی تھی کہ ایک ایک حرف صاف صاف سنائی دیتا اور سمجھ میں آتا تھا" اور یہ بھی فرمایا:— کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقطع قراءتہ یقول الحمد للہ رب العلمین ثم یقف ثم یقول الرحمن الرحیم ثم یقف (ترمذی)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرماتے تو ایک آیت کو دوسری سے جدا فرماتے۔ الحمد للہ رب العلمین پڑھ لیتے تو وقف فرماتے۔ پھر الرحمن الرحیم پڑھتے تو وقف فرماتے"۔ اسی طرح ایک ایک آیت کریمہ پر وقف فرماتے جاتے تھے"۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ قراءت کی یہ کیفیت عموماً تہجد اور نوافل میں ہونی چاہیئے۔ فرائض اور با جماعت نمازوں میں قوم کی توجہ اور رغبت کا لحاظ بھی رکھنا ضروری ہے۔ صحابۂ کرامؓ کا حال شمع پر پروانوں کا سا تھا۔ اب نہ ایسے عاشقین قرآن موجود ہیں نہ وہ دلچسپیاں باقی ہیں، اس لئے توسط بہتر ہے کہ نہ طوالت ہو نہ عجلت۔

چوتھی تفسیر حضرت انسؓ سے قراءت مبارک کی کیفیت دریافت کی گئی تو فرمایا:

كانت مدًّا ثم قرأ بسم الله الرحمن الرحيم يمدّ ببسم الله ويمدّ بالرحمن ويمدّ بالرحيم۔ (بخاری) قراءت مبارک میں مد ہوا کرتے تھے۔ پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر بتایا تو بسم اللہ پر مد کیا اور الرحمن پر مد کیا اور الرحیم پر مد کیا۔" یعنی بسم اللہ کے لام کو بقدر الف اور الرحمن کے میم کو بقدر الف اور الرحیم کی یا کو ایک الف، دو الف، تین الف کے برابر کھینچکر پڑھا۔ کیونکہ یہاں وقف ہے اور بحالت وقف قاری کو اختیار ہے کہ ایک الف سے تین الف تک دراز کر کے پڑھے۔ اور اگر وقف کرنا نہ ہو تو بقدر ایک حرکت کے درازی دے جس سے واو، الف، ی، جو حروف مدہ ہیں واضح طور پر سنائی دے سکیں۔

خوش آوازی ترتیل میں خوش آوازی بھی داخل ہے لیکن گانے والوں کے

طریق پر نہیں بلکہ قراء کرام کے اصول پر ہونی چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ما اذن اللہ ما اذن لنبی حسن الصوت بالقرآن یجھر بہ (بخاری، مسلم) خوش آوازی کی اجازت اللہ سبحانہ نے کسی موقع کے لئے اتنی نہیں دی جتنی کہ اپنے نبی کے لئے قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ بالجہر پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی"۔ دوسری روایت میں حسن الصوت کی جگہ یتغنّی آیا ہے۔ تغنّی کے اصلی معنی گانے کے ہیں مگر یہاں خوش آوازی ہی مراد ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت اور آئی ہے جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لیس منّا من لم تیغنّ بالقرآن۔ (بخاری) جو کوئی قرآن کو خوش آوازی کے ساتھ نہ پڑھے وہ ہم سے نہیں ہے"۔

لحن عربی نیز پڑھنے کا لہجہ عربی ہونا چاہیے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اقرأوا القرآن بلحون العرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل العشق ولحون اھل الکتابین وسیجئ بعدی قوم یرجعون بالقرآن ترجیع الغناء والنوح لا یتجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب الذین یعجبھم شانھم (بیہقی) قرآن کریم کو

عرب کے لہجہ میں پڑھا کرو اور عاشق مزاج لوگوں کے لہجے اور توریت و انجیل پڑھنے والوں کے لہجوں سے دور رہو۔ میرے بعد قومیں آئینگی جو قرآن کو اتار چڑھاؤ کیساتھ پڑھینگی، جیسا گانے اور مرثیہ خوانی میں ہوا کرتا ہے۔ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اتریگا۔ ان کے دل فتنے میں پڑے ہوں گے۔ نیز ان کے بھی دل جن کو ایسی حالت اور کیفیت پسند ہے"۔

ترتیل کی حکمت قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا جو حکم ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ تلفظ درست ہو۔ غلطی نہ ہونے پائے۔ یہ عوام کیلئے ہے، اور اہل علم کو اس کے معانی و مطالب پر غور کرنے اور اس کے انوار و اسرار سے مستفید ہونیکا موقع ملے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں: صلّیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃ اللیل فما مر بآیۃ فیھا ذکر الجنۃ الّا وقف وسأل اللہ الجنّۃ وما مرّ بآیۃ فیھا ذکر النار الا وقف وتعوّذ بالنار۔ (مظہری)

میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رات کی نماز پڑھی تو (قراءت شریفہ کی کیفیت یہ تھی کہ) جو کوئی آیہ کریمہ جنت کے بیان میں آتی تو آپ اس پر وقف فرماتے اور اللہ سبحانہ سے جنت کی درخواست کرتے۔ (اسی طرح) جب کبھی کسی ایسی آیہ کریمہ کی نوبت آتی جس میں دوزخ کا بیان ہوتا تو آپ وقف فرماتے اور دوزخ سے پناہ مانگتے"۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ اطمینان و سکون، رغبت و دلچسپی کے ساتھ قراءت ہو۔

قرائت قرآن میں عجلت کی ممانعت

اس کے برخلاف اگر جلدی اور تیزی کا رفتار ہے تو نہ تلفظ ہی درست ہوگا اور نہ رغبت و دلچسپی رہیگی۔ صرف یہی دھن رہیگی کہ کسی طرح سورہ ختم ہو جائے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ بلکہ ایک حرف کی جگہ دوسرا اور صحیح اعراب کی جگہ غلط، اور قرأت خلط ملط ہوگی۔ پھر بعض اغلاط ایسے ہوتے ہیں جن سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر اطمینان کے ساتھ صحیح پڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ رُبَّ قارئٍ للقرآن والقرآن یلعنہٗ ایسے کتنے قرآن پڑھنے والے ہیں جو قرآن پڑھتے تو ہیں مگر قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔" حروف بدل جائیں یا اعراب غلط ہو تو اس کو لحنِ جلی کہتے ہیں۔ اس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ اور اگر اخفا کی جگہ اظہار، تفخیم کی جگہ ترقیق، یا بالعکس کوئی صورت ہو تو یہ لحنِ خفی ہے۔ یہ بھی نہ ہونا چاہیئے، مگر اس سے نماز نہیں جاتی۔[1]

---

[1] حضرت مولانا جامیؒ فرماتے ہیں :۔

صرفِ اوکن حواسِ جسمانی	وقفِ اوکن قوائے روحانی
دل بہ معنیٰ، زباں بہ لفظ سپار	چشم بر خط و نقط و عجم، گزار
گوش از ومعدنِ جواہر کن	ہوش از و مخزنِ سرائر کن
در ادایش مکن زباں کج مج	حرفہایش ادا کن از مخرج
دور باش از تہتک و تعجیل	کام گیر از تامل و ترتیل

73-5

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ بے شک ہم ڈالنے والے ہیں آپ پر بھاری بات ۔

قرآن کریم کی عظمت یعنی قرآن عظیم کو بذریعہ وحی آپ پر اتارنے والے ہیں۔ قرآن عظیم کی تعبیر چونکہ قول ثقیل کے ذریعہ فرمائی جارہی تھی اس کی مناسبت سے سَنُوْحِیْ اِلَیْكَ کی جگہ سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ ارشاد ہوا۔

قول ثقیل اس بناپر فرمایا گیا کہ کلام پاک کا ایک ایک جملہ، بلکہ ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف نہایت جچا تُلا ہے۔ کلمات کی فصاحت اور کلام کی بلاغت، حسن ترتیب، لطافت اور شیرینی، پھر معنی دیکھو تو قوی دلائل، جامع احکام، دلچسپ مثالیں، دور رس مطالب، گہرائی اتنی جس کی تہ نہیں، رفعت ایسی جس کی حد نہیں، پھیلاؤ ایسا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

لعنت است ایں کہ بہر لہجہ وصوت ۔۔۔ شود از تو حضور خاطر فوت
فکر حسن غنا برد ہوشت ۔۔۔ متکلم شود فراموشت
معنی لعن چیست مردودی ۔۔۔ بمقامات بُعد خوشنودی
گرچہ ملعوں نہ شد زحق مطلق ۔۔۔ ہست ملعوں بہ قدر بُعد از حق

ہمارے حضرت شیخ الشیوخ مولانا حافظ میر شجاع الدین حسین قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

معنی گر سمجھے تو اس میں دل لگائے ۔۔۔ ورنہ سوچے لفظ تا غلطی نہ آئے

لحسن کی انتہا نہیں، اثر ایسا جس کا ٹھکانا نہیں، پھر اس کو ترتیل کے ساتھ آخر شب میں اصلی عربی لہجہ میں، خوش آوازی سے پڑھنا، ٹھہر ٹھہر کر غور و تدبر اور تفکر و گداز کیسا تھ اس کی مجموعی کیفیت وہی جانے جس پر گزرتی ہے، یا وہ جو سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہے۔ دوسرے سننے والے بھی بے چین اور مضطرب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شجر و حجر جمادات و نباتات، حیوانات اور انس بلکہ جن و ملک بھی اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یا

قولاً ثقیلاً کی تفسیر قول ثقیل اس اعتبار سے کہ قرآن کریم کا ایک ایک حکم ایک نئی ذمہ داری عائد کر رہا ہے خود بھی اس کے پابند ہونا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر کاربند بنانے کی تدبیر کرنی ہے۔ اور اس سلسلہ میں جس قدر دشواریاں لاحق ہوں گی ان کو برداشت کرنے کے لئے خود کو تیار رکھنا ہے۔ ایک وقت صحابہ کرام نے ریش مبارک میں سپیدی کے آثار دیکھے۔ عرض کیا کہ آپ وقت سے پہلے بوڑھے ہوگئے۔ فرمایا:۔ شیبتنی ھود و اخواتھا۔ مجھے سورہ ہود اور اس کی مماثل سورتوں نے بوڑھا بنا دیا۔ سورہ ہود میں امم سابقہ کے احوال ہیں کہ کس کس طرح ان قوموں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی اور ان پر کیسے کیسے عذاب آئے پھر آخر میں حکم ہوا:۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ۔ جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے اس کے مطابق

استقامت سے کام لیجئے"۔ یہ حکم بجائے خود جو اہمیت رکھتا ہے ظاہر ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ پر قبل از وقت بڑھاپے کے آثار نمایاں ہوگئے تھے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یا

دوسری تفسیر قول ثقیل اس جہت سے کہ قرآن کریم قرآن عظیم ہے۔ عرش اعظم سے اترا ہے۔ جس کا اجروثواب قیامت کے دن میزان میں سب سے بھاری ہوگا۔ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں، پھر الٓمٓ ایک حرف نہیں، الف ایک حرف، لام ایک حرف اور میم ایک حرف، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یقال لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا فان منزلتك عند آخر آیة تقرأھا۔ (امام احمدؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ) قرآن کے حافظ یا اس کو پڑھتے رہنے والے سے کہا جائے گا (جب کہ وہ جنت میں داخل ہوگا ایک ایک آیت) پڑھتا جا اور (ایک ایک درجہ جنت کا) چڑھتا جا۔ جیسا کہ تو دنیا میں ترتیل کیسا تھ پڑھا کرتا تھا۔ یقیناً تیرا ٹھکانا آخری آیت کے پاس ہے جس کو تو پڑھتا جائیگا"۔ قرآن کریم کی (۶۶۶۶) آیات ہیں، گویا جنت میں اس کو اتنے درجے ترقی کرنیکا موقع دیا جائے گا۔ اللہ اکبر۔ یا

تیسری تفسیر قول ثقیل اس اعتبار سے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے :۔ انہ قرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم قرأھا عشرین مرۃ وکان لہ کل مرۃ فھم وفی کل کلمۃ علم۔ آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے قرأت کا آغاز فرمایا تو اس کو بیس دفعہ پڑھتے رہے۔ ہر دفعہ ایک نیا مفہوم ذہن نشیں ہوتا گیا اور ہر ہر کلمہ میں ایک جدید علم حاصل ہوتا رہا۔" حضرت امام اعظمؒ کے مناقب میں ہے کہ آپ نے تہجد شروع کی تو آیۂ کریمہ ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم کو اتنی دفعہ دہراتے رہے کہ صبح ہو گئی۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ یقیناً رات کو 73-6

اٹھنا سخت روندتا ہے اور سیدھی نکلتی ہے بات "

قیام لیل کا فائدہ قیام لیل کا اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ اس سے نفس خوب کچلا جاتا ہے اور جو بات زبان سے نکلتی ہے دل میں جمتی جاتی ہے جس ریاضت سے نفس پامال ہو اس سے بڑھ کر اور کوئی ریاضت نہیں ہو سکتی اور عبادت کا مقصد ہی ریاضت نفس ہے۔ میٹھی نیند کو چھوڑنا اگرچہ تلخ اور ناگوار ہے لیکن اس میں جو عظیم فائدہ ہے اس کی خاطر گوارا کرنا ہوگا۔ ترک نوم منفی پہلو ہوا۔ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ جو بات زبان سے جاری ہوگی وہ دل نشیں ہوتی جائیگی۔ کلام ربانی کے معانی و مطالب

کھلتے جائیں گے اور ساتھ ساتھ ذہن نشیں ہوتے جائیں گے۔ زبان اور دل میں موافقت و مطابقت پیدا ہوگی۔ ایمان و ایقان پختہ ہوگا۔ یہ پختگی جیسی جیسی ترقی کرتی جائیگی اس کی تاثیر مخاطب کے دل میں زیادہ ہوگی۔ فریضۂ تبلیغ بہتر طریقہ پر انجام پائیگا۔ آدھی رات کے بعد کا خاموش سماں جبکہ عامۃ الناس محوِ خواب اور پرند چرند وغیرہ حیوانات اپنے آشیانوں اور ٹھکانوں میں دم بخود، ساری فضا پر سکون اور رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ کا سماء دنیا پر نزول اجلال اور اس مژدۂ جانفزا کا اعلان کہ "کوئی ہے مانگنے والا جس کو ہم اپنی عطا سے مالا مال کریں"۔ "کوئی ہے توبہ کرنے والا جسکی توبہ قبول فرمائیں"۔ "کوئی ہے گناہوں کی معافی چاہنے والا جس کو ہم بخش دیں"۔ ایسے میں اللہ کا مقبول و محبوب بندہ ہی ہوسکتا ہے کہ ہر صدا و منادی پر لبیک کہتا ہوا تعمیل حکم کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اب اس میں کیا کلام ہے کہ اسکی منہ مانگی مراد پوری ہوگی۔ پھر جس مقدس و مبارک ذات کا کوئی گناہ ہی نہیں، معصوم پیدا ہوئے۔ اگلی پچھلی تمام باتیں اگر کچھ ہوں بھی تو وہ بخش دی جا چکی ہوں تو انکی کوئی درخواست، خواہ اپنے لئے ہو یا امت مرحومہ کے لئے۔ کیا تصور ہوسکتا ہے کہ یوں ہی رہ جائیگی؟ نیز ایسی ذات گرامی کی زبان فیض ترجمان سے جو کلمہ صادر ہوگا کیا دوسروں پر اس کا اثر نہ ہوگا؟۔

ناشئۃ اللیل کی تفسیر | ناشئۃ اللیل کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں :۔

۱۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ ناشئۃ اللیل اولہ۔ (بیہقی) قیام لیل سے رات کا پہلا حصہ مراد ہے۔" دوسری روایت آپ سے یوں ہے :۔ اللیل کلہ ناشئۃ (ابن المنذر، ابن المفریس) پوری رات ناشئۃ اللیل ہے"۔ یہ بھی مروی ہے :۔ ای اللیل قمت فقد انشأت۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) رات کے جس حصے میں بھی قیام کرو وہ قیام لیل ہے"۔

۲۔ ابو مجلزؓ فرماتے ہیں :۔ ما کان بعد العشاء الآخرۃ الی الصبح فهو ناشئة (عبد حمید، ابن نصر) نماز عشا کے بعد کا جو حصہ بھی ہو صبح صادق کے طلوع ہونے تک وہ قیام لیل ہے"۔ حضرت قتادہؒ، حضرت حسن بصریؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ (عبد بن حمید، ابن نصر، بیہقی)۔

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ ان ناشئۃ اللیل قال ما بین المغرب والعشاء۔ (ابن ابی شیبہ، ابن نصر، بیہقی) ناشئۃ اللیل مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت ہے"۔ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت سیدنا امام زین العابدینؓ سید الساجدین سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سید الشہدا سیدنا امام حسین علیہ السلام کو دیکھا گیا کہ آپ مغرب اور عشا کے درمیان نمازیں ادا فرما رہے ہیں۔ اس باب میں آپ سے

دریافت کیا گیا تو فرمایا:۔ انھا من الناشئۃ ۔(ابن المنذر) یہ بھی قیامِ لیل میں داخل ہے۔"

۴۔حضرت مجاہد فرماتے ہیں:۔ ان ناشئۃ اللیل قال ای ساعۃ تھجدت فیھا فتھجد من اللیل ۔(فریابی عبد بن حمید ابن نصر) قیام لیل کیلئے رات کی جس ساعت میں بھی نیند سے بیدار ہو تہجد ادا کیا کرو۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ تہجّد کے معنی ترک نوم کے ہیں، یعنی خواب سے بیدار ہو کر اٹھنا۔ افضل و اکمل صورت یہی ہے کہ عشاء کے بعد آرام کریں۔ پھر جب کبھی طلوعِ صبح صادق سے پہلے آنکھ کھلے اٹھ کر طہارت و وضو کر کے تہجد پڑھ لیں۔ لیکن اگر یہ نہ ہو سکے تو سونے سے پیشتر ہی خواہ مغرب اور عشا کے درمیان یا عشا کی سنتوں کے بعد صلاۃ اللیل پڑھ لیا کریں۔ اس صورت میں یہ بھی صلاۃ اللیل کہلائیگی کیونکہ رات کو ادا کی جا رہی ہے اگرچہ اس کا نام تہجد نہ ہوگا۔ کیونکہ ترک نوم کی نوبت نہیں آئی۔ یعنی تہجد نہ ہو سکے تو صلاۃ اللیل ہی پڑھ لیں۔ رات کی نمازوں کی بڑی فضیلت ہے اس کو حتی الامکان حاصل کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد وتر پڑھ لیں۔ وتر کے متعلق فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جس کو بھروسہ ہو کہ وہ رات کو نماز کے لئے بیدار ہو سکیگا۔ افضل یہ ہے کہ وتر عشا کے بعد نہ پڑھے بلکہ

تہجد کے بعد پڑھے اور اگر بیداری پر اعتماد نہ ہو تو عشا کی سنتوں کے ساتھ وتر بھی پڑھ لے۔ اگر بیدار نہ ہو سکا تو مضائقہ نہیں، وتر تو پڑھ چکا ہے۔ اور اگر بیدار ہو سکا تو صرف تہجد پڑھ لے۔ وتر کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تہجد کی رکعتیں اور ان میں قرارت تہجد یا صلاۃ اللیل کی زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں اور کم سے کم دو۔ چار یا چھ رکعتیں اس کا اوسط ہے۔ مستحب ہے کہ رکعتوں کی تعداد بڑھانے کے مقابلہ میں قرارت طویل ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ رات کی نماز میں قرارت کم از کم کتنی ہونی چاہیے؟ تو ارشاد ہوا اتنی کہ ایک بکری کا دودھ دوہا جا سکے۔ ظاہر ہے کہ بکری عموماً آدھ سیر یا سیر دودھ دیا کرتی ہے۔ اتنا دودھ دوہنے میں دس پانچ منٹ سے زیادہ وقت صرف نہیں ہوتا۔ یہ قرارت تہجد کی کم سے کم حد ہے۔ بڑی سورتیں یاد نہ ہوں تو چھوٹی چھوٹی سورتوں کو ہی مکرر سکرر پڑھا جا سکتا ہے۔ رہا یہ امر کہ خود حضور اکرم کی قرارت کا کیا حال تھا؟۔

تہجد میں حضورؐ کی قرارت حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آپ تہجد کی چار رکعتیں ادا فرمائیں، فلا تسأل عن طولھن وحسنھن۔ ان چار رکعتوں کی طوالت اور خوبی کا حال نہ پوچھو کہ وہ کتنی طویل اور کن خوبیوں کی حامل اور کیسی بھلی ہوتی تھیں پھر اور چار رکعتیں ادا فرماتے ان کی درازی اور ان کا حسن بھی خارج از بیان ہوتا تھا

پھر جب صبح صادق طلوع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا تو تین رکعت وتر ادا فرماتے۔" دوسری روایات میں ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ، دوسری میں آل عمران، تیسری میں سورۂ نساء اور چوتھی میں مائدہ تلاوت فرماتے۔ وقس علی ہذا۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرمایا تھا۔

آخری صورت پھر جس کسی سے رات کو اٹھنا ہی نہ ہو سکتا ہو تو عشا اور فجر کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کیا کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے عشا کی نماز باجماعت ادا کی تو گویا وہ نصف شب بیدار رہا۔ پھر اس نے فجر کی نماز بھی باجماعت پڑھ لی تو گویا وہ بقیہ نصف شب بھی بیدار رہا۔" یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا مزید کرم ہے کہ رات کو نہ اٹھنے کے باوجود صرف عشا و فجر کی فرض نمازوں کو باجماعت ادا کر کے پوری رات جاگنے اور عبادت کرتے رہنے کا اجر حاصل کر سکتا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ نماز تہجد کی پابندی کا طریقہ یوں ہے کہ پہلے عشا و فجر کو مسجد میں باجماعت ادا کیا کرے اور ساتھ ساتھ مغرب و عشا کے درمیان یا عشا کے بعد اور وتر سے پہلے دو رکعت یا چار چھ آٹھ رکعتیں پڑھ لیا کرے۔ جب اس کی عادت ہو جائے تو رات کو تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو اٹھ جایا کرے اور کم از کم دو رکعت چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ ہی سہی پڑھ لیا کرے۔ جب اس کی بھی عادت ہو جائے تو

چار، چھ، یا آٹھ رکعتیں پڑھا کرے، پھر قراءت کو طول دیتا جائے۔ اس تدریجی طریقہ سے انسان آسانی کے ساتھ، تہجد کا پابند ہو سکتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ 73- 7
وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ 73 -8
فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ بے شک آپ کو دن میں تو بہت سے کام ہیں، اور کیے جایئے 73-9
ذکر اپنے رب کے نام کا، اور سب سے ٹوٹ کر چلے آیئے اوسی کی طرف، (وہ) مالک ہے مشرق اور مغرب کا، بس بنایئے اسی کو اپنا کارساز۔

سبحاً کی تفسیر سبحاً کے معنی ازروئے لغت یہ ہیں المرّ السریع فی الماء۔ پانی میں تیز تیز تیرنا۔ پھر مجازاً مطلق روانگی کے معنی لئے جانے لگے۔ خواہ پانی میں ہو یا خشکی پر۔ یا فضا میں۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ دن میں آپ کو لمبے لمبے کاموں پر جانا رہتا ہے، یعنی بہت سارے اشغال رہتے ہیں۔ تبلیغ، وعظ نصیحت فصل خصومات، ملاقات، دریافت احوال، اور دیگر حوائج ضروریہ، جن کے باعث آپ کو سکون قلب اور یکسوئی کے ساتھ عبادت کا موقع کم ملتا ہے اور رات کا وقت سکون و اطمینان اور خاطر جمعی کا ہے لہٰذا آپ کچھ آرام کر کے راتوں کو اٹھا کیجئے۔ اور بسم اللہ کہہ کر اپنے رب کی یاد میں لگے رہئے۔

سبحا کی دوسری تفسیر سبحاً کے دوسرے معنی لغت میں فراغ کے ہیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ السبح الفراغ للحاجۃ والنوم۔ (عبد بن حمید، ابن نصر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم) سبح کے معنی ضروریات کی تکمیل اور نیند لینے کا موقع ملنا" اس لحاظ سے معنی یوں ہوں گے کہ دن کو ضروریات کی تکمیل کے بعد قیلولہ کا موقع بھی حاصل رہتا ہے جس سے شب خیزی کا تکان رفع کیا جا سکتا ہے لہذا آپ رات کا کچھ حصہ ضرور عبادت میں صرف کیا کیجئے۔ حضرت قتادہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ چنانچہ احادیث شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ دن میں دوپہر کے وقت قیلولہ فرماتے تھے۔ اس سے قیام لیل میں مدد ملتی ہے۔ نیز اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ رات میں جو کام نہ ہو سکے اس کو دن میں انجام دیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ نیند ہو۔ یا عبادت، یا اور کوئی کام۔ اسی طرح دن میں کوئی کام نہ ہو سکا تو رات کو اس کی تکمیل کیجا سکتی ہے۔ دوسری جگہ اللہ سبحانہ نے بصراحت فرمایا ہے :۔ ھوالذی جعل اللیل والنھار خلفۃ لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا۔ وہی خدا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا خلیفہ بنایا ہے۔ یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا رہتا ہے ان کیلئے جو اسکی یاد میں لگے رہنا اور اسکی نعمتوں کی شکرگزاری جاری رکھنا چاہتے ہیں"۔

نوافل ناغہ ہونے کا علاج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :۔

من نام عن حزبه او عن شیئ منه فقرأہ فیما بین صلاۃ الفجر وصلاۃ الظھر کتب له کأنه قرأه من اللیل۔ جو کوئی اپنے وظیفے یا اس کے کچھ حصے کو پڑھے بغیر سو گیا پھر اس کو نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان پڑھ لیا تو اس کے نامۂ اعمال میں اس کو اسی طرح لکھ دیا جاتا ہے جیسا کہ اس نے رات ہی کو پڑھا۔" اسی بناء پر مشائخ کرام اپنے مریدین صادقین کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا کوئی ورد یا وظیفہ اپنے وقت پر چھوٹ جائے تو اس کی تکمیل کسی دوسرے وقت میں کر لیا کریں اگرچہ مہینہ بھر بعد کیوں نہ ہو ضرور وظیفے کی تکمیل کرتے رہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مرید اپنے اشغال کی ادائی میں سُست نہ ہونے پائے۔ بس اس کا مجاہدہ جاری رہے۔

نوافل کی قضا نہیں شیخ ابو طالب مکیؒ قوت القلوب میں فرماتے ہیں:۔ من فاته وِرد من الاوراد استحب له فعل مثله متی ذکرہ لا علی وجه القضاء لانه لا تقضی الا الفرائض ولکن علی سبیل التدارك ورياضة النفس بذلك ليأخذ بالعزائم کیلا یعتاد الرخص۔ جس کسی کا کوئی ورد اس کے مقررہ اوراد میں سے چھوٹ جائے اس کے لئے مستحب ہے کہ اس جیسا وظیفہ جب یاد آئے پڑھ لیا کرے۔ یہ وظیفہ کی قضا نہیں ہے کیونکہ فرائض کے سوا (جن میں واجبات بھی داخل ہیں) اور کسی کی قضا نہیں ہے لیکن اس ورد یا وظیفہ کی ادائی نفس کے تدارک،

اور اس کی ریاضت کی خاطر ہے تاکہ مرید عمل کے اہم اور اعلیٰ پہلو کو اختیار کیا ہوا رہے سہولتوں کا خوگر نہ بن جائے "۔ البتہ شرع شریف نے جہاں کوئی سہولت دی ہے اس سے بھی مستفید ہوتا رہے لیکن سہل انگاری کا عادی نہ بنے۔

ذکر دوام نیز وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ میں اشارہ ہے ذکر دوام کی طرف کہ رات اور دن کا کوئی لمحہ یاد الٰہی سے خالی نہ گزارئیے۔ اور ہمیشہ اس پر قائم رہیے غفلت سے یاد کی طرف آنا مراد نہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں غفلت کا کیا گزر ہو سکتا ہے؟ ذکر الٰہی تو جاری ہی تھا۔ بلکہ اس ذکر پر قائم و برقرار رہنے کی تاکید مقصود ہے۔ جیسے ارشاد باری ہے:۔ یاایّھا الذین آمنوا آمنوا۔ اے ایمان والو! اپنے ایمان پر قائم و برقرار رہو "۔ یہ معنی نہیں کہ ایمان لاؤ۔ کیوں کہ خطاب اُن سے ہے جو ایمان لا چکے ہیں۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ ایمان پر قیام و دوام ہونا چاہیے۔ اسی طرح یہاں بھی واذکر اسم ربك سے ذکر دوام مراد ہے نیز یہ دوام حقیقی مراد نہیں کیونکہ یہ امر محال اور تکلیف مالایطاق ہے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹے ذکر ہی میں گزارنا ناممکن ہے بلکہ دوام عرفی مراد ہے کہ عرف عام میں جس کے غالب واکثر اوقات ذکر میں گزرتے ہیں اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ ہمیشہ یاد الٰہی میں رہتے ہیں۔ پھر ذکر لسانی ہی کیساتھ یہ ذکر مخصوص نہیں ہے۔ زبان سے ہو یا دل سے یا

جوارح سے۔ انسان جو بھی کام کرے اللہ سبحانہ کے منشا و مرضی کے مطابق کرے تو اس کا شمار بھی ذاکرین میں ہے۔ اور یہی مومن سے مطلوب ہے۔ اور یہ درجہ حاصل ہوتا ہے شب بیداری اور تہجد گزاری سے۔ واللہ الموفق۔

دنیا سے بے رغبتی وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا۔ اور چھوٹ کر چلے آیئے اسکی طرف سب سے الگ ہو کر" یہاں بھی احتباک کارفرما ہے جو حذف کلام کی ایک لطیف قسم ہے۔ دراصل یوں ارشاد ہو رہا ہے:۔ وتبتل الیہ فیبتلک تبتیلا۔ یعنی آپ اپنی کوشش اور جدوجہد سے اپنے رب کی طرف چھوٹ کر آیئے تو وہ آپ کو اپنی عنایت سے سب سے چھڑا کر اپنی طرف کھینچ لیگا" بتل کے معنی ہیں انقطاع و تجرید کے۔ حضرت مریمؑ کو بتول اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کا کوئی شوہر نہ تھا۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو منظور ہی یہ تھا کہ آپ کو زوجیت سے کوئی تعلق نہ رہے۔ اسی طرح جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول علیہ وعلیہا الصلاۃ والسلام کو بتول اس لئے کہتے ہیں کہ ماسوی اللہ سے آپ کا قلب مبارک یکسر خالی تھا۔ دراصل یہ پرتو تھا وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا کا جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا تھا۔ سب سے چھوٹ کر اپنے رب کی طرف آئیں گے تو سارے کام باحسن الوجوہ بنا دئے جائینگے کیوں کہ آپ کے رب کی شان یہ ہے:۔

رب المشرق والمغرب کی تفسیر رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

وہ مالک مشرق کا بھی ہے اور مغرب کا بھی۔ مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب، کائنات ارضی و سماوی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس کی مِلک اور مُلک سے خارج ہو۔ اور اس کائنات میں اس کے سوا کسی کی حکومت اور کارفرمائی ہو۔ سب کچھ اسی کی رکھوالی میں ہے اور وہی تمام کام بناتا ہے۔ اسی کی ذات سے نظام شمسی، قمری، ارضی، سماوی بالفاظ دیگر سارا نظام عالم قائم ہے تو آپ کا کوئی کام کیوں ناتمام رہیگا؟ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا۔ بس اسی کو اپنا کارساز بنایئے۔" لاکھوں کروڑوں بے شمار درود و سلام ہوں آپ کی ذات اقدس پر کہ آپ کی ساری زندگی اسی کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ جناب سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے کیا خوب فرمایا: و کان خلقہ القرآن۔ سارا قرآن کریم آپ کا خلق عظیم تھا۔ پھر جو کامیابی مختصر سی مدت میں آپ کو حاصل ہوئی وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

مقامات سلوک حضرت یعقوب کرخیؒ فرماتے ہیں:۔ ان من اول السورة الی هذه الآیة اشارة الی مقامات السلوك من الخلوة باللیل والاشتغال بالقرآن وذکر الرحمن ونفی ماسواه والتوکل به۔ اس سورت شریفہ کے آغاز سے اس آیہ کریمہ تک مقامات سلوک کی جانب اشارہ فرمایا جاتا ہے

یعنی رات کو خلوت گزینی، قرآن خوانی، خدائے رحمٰن کا ذکر، اور اس کے ماسوا کی نفی، اور توکل علی اللہ۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ۝ وَذَرْنِیْ 73-10
وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ۝ اور سہتے رہیے ان کی 73-11
باتوں کو، اور چھوڑ دیجیے ان کو بھلی طرح کا چھوڑنا، اور مجھ پر چھوڑ دیجیے اور جھٹلانے والوں کو جو آرام میں ہیں اور ڈھیل دیجیے ان کو تھوڑی سی۔

مایقولون کی تفسیر کفار کی زبان بے لگام تھی، ان کی بدزبانی کی کوئی حد نہ تھی اور نہ اس سے کوئی چھوٹ سکا۔ اللہ سبحانہ کے ساتھ یہ شرک کرتے چنانچہ تین سو ساٹھ بُت کعبۃ اللہ شریف میں ان لوگوں نے رکھ چھوڑے تھے۔ اللہ سبحانہ کے لئے ظالم بدبین بیوی اور اولاد تجویز کر رکھی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں کاھن، شاعر، مجنون کے خطابات دیتے تھے۔ قرآن کریم کی نسبت کہا کرتے، اساطیر الاولین۔ یعنی یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ حلقہ بگوشان اسلام کی نسبت سفہاء کا لفظ اختراع کیا تھا۔ اسی طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کی پھبتیاں اڑاتے۔ ان تمام ہذیانات، اور خرافات کا جواب صبر و شکیب کیساتھ دینے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ مذکورہ بدزبانی پر الجھنے کی ضرورت نہیں ذرا

صبر سے کام لیجیے۔ ع صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد۔ پھر دیکھئے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۔ اور ان کو اپنے حال پر اسی طرح بد زبانی کرتے ہوئے چھوڑے رکھئے بھلے طریقے کے ساتھ" یعنی ان کی باتوں اور ان کاموں پر چیں بہ جبیں نہ ہوئیے اور نہ کچھ جواب دینے کی کوشش کیجیے۔ ان کا جواب بقول شیخ ع بدی را بدی سہل باشد جزا۔ ہوسکتا ہے، مگر یہ طریق کوئی اچھا نہیں ہے۔ اچھی صورت وہ ہے جس کی رہنمائی قرآن کریم نے فرمائی ہے:۔ فاصفح عنھم وقل سلام۔ ان کے ساتھ درگزر سے کام لیجیے اور سلام کہہ کر ٹال دیا کیجیے"۔ اسی سے کام بنے گا۔ رہا ان کو اس کی پاداش میں سزا دینا، اس کی نسبت ارشاد ہو رہا ہے:۔ وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ۔ اور ہم کو ان جھٹلانے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجیے جو آرام میں پڑے ہماری نعمتوں سے ناجائز استفادہ کرنے کی سوچ رہے ہیں۔ ان سے ہم نبٹ لیں گے۔ اس میں ذرا سی ڈھیل دینے کی ضرورت ہے۔

کفار کو دنیوی سزا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے اسی ہدایت ربانی پر عمل کیا۔ مکی زندگی کے بارہ تیرہ سال اسی صبر و شکیب میں گزرے کافروں کی بد زبانی، طعن و تشنیع ہر طرح کی ایذا رسانی کا شکار بنے رہے۔ جب

ہجرت کی نوبت آئی اور اس کے بعد بدر و احد اور حنین وغیرہ کے معرکے درپیش ہوئے تو
اشقیاء مسلمانوں کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی۔ رہی سزائے آخرت
اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ اور جنکی قسمتوں میں سعادت لکھی تھی ہزاروں کی تعداد میں
حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جو صبر جمیل کا نتیجہ تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ تو
دنیا کی سزا تھی۔ اب سزائے آخرت کا حال سنیئے :-

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا 73-12
اَلِيْمًا ۚ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا 73-13
مَّهِيْلًا ۝ البتہ ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور آگ کا ڈھیر اور کھانا گلے میں اٹکنے 73-14
والا اور عذاب دردناک۔ جس دن کہ کانپنے لگیگی زمین اور پہاڑ اور ہو جائینگے
پہاڑ پھسلتے ریگ کے تودے "

کفار کو اخروی سزا بیڑیاں وغیرہ

اَنْكَال جمع ہے نِكْل کی جس کے معنی ہیں "بیڑیاں"
جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہیں اسی کے ضمن میں ہیں ہتکڑیاں جو
ہاتھوں میں پہنائی جاتی ہیں اور طوق جو گلے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ سزا اس بنا پر کہ کفار
اپنی تمام عمر جسم اور جسمانیات کی دھن میں لگے رہے۔ پیٹ کے دھندوں میں پھنسے رہے
روح کی صفائی اس کی بھوک، پیاس اور اس کے آرام وچین کا کچھ بھی خیال نہ کیا۔

پیغمبروں کی مقدس جماعت نے جب کبھی ان کے روحانی آرام وسکون کی طرف دعوت دی توان کی دوا دوی اور سرگرمی ہمیشہ ان کے خلاف رہی۔ آج اس کی پاداش میں یہ سزا دی جارہی ہے کہ ان کی تمام سرگرمیاں یک لخت موقوف، اور بیڑیوں ہتکڑیوں اور طوق کے بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے۔

جحیم کی سزا اور اس کی وجہ جحیم دہکتی آگ کا ڈھیر۔ یہ کفار کے مال ومتاع اور اسباب زندگی کی فراوانی کی سزا ہے کہ دنیا میں مال جمع کرتے رہے۔ سونے چاندی زیورات کی کثرت تھی یا صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اسی کو جمع کرنیکی فکر تھی جس کو یہ میسر تھا وہ اس کو جتن کرکر کے رکھتا تھا اور جس کو میسر نہ ہوا وہ اسی کی فکر میں رات دن گھلتا تھا۔ کسی فقیر، مسکین، یتیم، بیوہ، نادار، معذور، ضعیف و ناتواں شکستہ حال کی اس کو کب پرواہ تھی۔ خدا پر ہی ایمان نہیں تو راہ خدا میں کسی طالب علم، محتاج، مسافر اور درماندہ کی کیا خبر لیتا! آج اس کا مال دہکتی ہوئی آگ کے تودے کی شکل میں نمودار ہوا ہے جس کی تپش اور سوزش تو رہی ایک طرف، اس کی بھاپ اور دھواں بھی جھلس دینے کے لئے بس ہے۔

اولی النعمۃ کی تفسیر اولی النعمۃ، عیش وتنعم والے جو اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ روزانہ ان کی محفلیں سجائی جارہی تھیں متنعین کو دعوت نامے تقسیم ہو رہے تھے۔

وہ فاخرہ لباس پہنے عمدہ سواریوں میں سوار ہو ہو کر جمع ہوتے تھے' ان کا استقبال شاندار طریق پر ہو رہا تھا۔ کرسیاں بچھائی گئی ہیں۔ تخت رکھے ہوئے ہیں۔ عیش و طرب کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ شراب و کباب بھی ہے۔ گانا' بجانا' راگ' راگنی' رقص و سرود' اور خدا جانے کیا کیا ملاہی و ملاعب مہیا ہیں۔ پھر جب کھانے کا وقت آیا تو دسترخوان پر ایک سے ایک بہتر پُر تکلف نئے قسم کا کھانا اور لوازمہ' جس کا بیان نہیں ہو سکتا' اللہ سبحانہ کی دی ہوئی دولت اور اس کی اتاری ہوئی نعمتوں سے پوری طرح متمتع ہوتے پھر اللہ سبحانہ ہی کا انکار کئے جاتے تھے۔ آج اس کے بدلے میں طعاماً ذا غصۃ مل رہا ہے۔ کھانا ایسا کہ منہ میں ڈالا اور وہ حلق میں پھنس گیا۔ نہ نیچے اتر سکتا ہے۔ اور نہ اس کو تھوک دیا جا سکتا ہے' جیسے ہڈی یا کانٹا ہے کہ وہ حلق میں چبھ گیا ہے' نہ فرو ہوئے حلق ہو سکتا ہے اور نہ باہر نکالا جا سکتا ہے اور یہ دوزخی کا فر اسکی تکلیف سے تڑپ رہتے ہیں۔

طعاماً ذا غصۃ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لہ شوک و یا خذ بالحلق لا ید خل ولا یخرج۔ (عبد بن حمید' ابن ابی الدنیا' عبداللہ بن احمد' ابن جریر' ابن المنذر' حاکم بروایت صحیحہ' بیہقی) اور دوسری روایت میں ہے:۔ شجرۃ الزقوم (حاکم بروایت صحیحہ) دوزخیوں کی غذا ناگ پھنی (جیل سینڈھ) ہوگی جو حلق میں پھنس جائیگی۔ جو نہ اندر جا سکتی اور نہ خارج ہو سکتی ہے" حضرت مجاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے (عبد بن حمید)

عذابا الیما کی تفسیر | وَعَذَابًا اَلِیْمًا۔ اور بے نہایت رنج دہ عذاب ہے۔" اس کو نکرہ لانا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عذاب کی نوعیت، تمام عذابوں سے نرالی اور انوکھی ہوگی جس کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا پھر اس عذاب سے جو تکلیف پہنچتی ہوگی وہ بھی ایسی جو نہ کہیں دیکھی اور نہ کبھی سنی۔

حضور اکرمؐ کا تاثر | حضرت حمرانؓ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصۃ وعذابا الیما فلما بلغ الیما صعق (امام احمدؒ، ہناد، عبد بن حمید، محمد بن نصر) حضرت نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ جب الیما کے پاس پہنچے تو حضور اکرمؐ بیہوش ہوگئے۔" اور ابو حرب ابن ابی الاسودؒ فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سمع رجلا یقرأ ان لدینا انکالا وجحیما فصعق۔ (ابو عبید، امام احمدؒ، ابن ابی الدنیا، ابن جریرؒ، ابن ابی داؤد، ابن عدی، بیہقی) حضرت نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے سنا تو بیہوش ہوگئے۔" ممکن ہے کہ یہ دونوں واقعات جدا جدا وقوع پذیر ہوئے ہوں، یا روایات کا اختلاف ہو۔ اللّٰہ اکبر محبوب رب العالمینؐ پر خشیۃ الٰہی کا یہ اثر ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے۔

آیہ ترجف الارض کی تفسیر | یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ۔ کفار کو

یہ سزائیں اس دن دیجائینگی جس دن زمین اور اس کے تمام پہاڑ کانپنے لگیں گے۔ زبردست زلزلہ آئے گا۔ اس زلزلہ کی شدت کا یہ حال ہوگا وَ کَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا۔ "تمام پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہوکر پھسلتی ہوئی ریگ کی شکل میں تبدیل ہوجائینگے" جب ایسے سخت اور زبردست پہاڑوں کا یہ حال ہوگا اور ساری زمین بھونچال میں گرفتار ہوجائیگی تو زمین پر رہنے والوں کا کیا حال ہوگا اس کا اندازہ کرلیا جائے۔ ایسی ہیبتناک حالت میں انسان ضعیف البنیان پر کیا گزرے گی خصوصاً اللہ سبحانہ کے منکرین کا کیا حشر ہوگا اس کا اندازہ مشکل ہے۔ کثیب کے معنی ہیں "تودۂ ریگ" اور مہیل کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یوں بیان فرمائے ہیں :۔ المھیل الذی اذا اخذت منه شيئاً تبعك آخره۔ (حاکم بروایت صحیحہ) مھیل ایسی باریک ریت کہ اس کی ایک مٹھی اٹھالو تو وہ مٹھی میں ٹھہرتی نہیں اس کا آخری ریزہ بھی پھسل کر مٹھی میں سے نکل جائے گا۔" دوسرے موقع پر یوں تفسیر فرمائی :۔ الرمل السائل۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) وہ بہتی ہوئی ریت ہے۔"

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا ۥ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ 73-15
فِرْعَوْنَ رَسُولًا ۝ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَٰهُ أَخْذًا وَبِيلًا ۝ 73-16

ہم نے بھیجا تمھاری طرف رسول تبلانے والا تمھاری باتوں کا جیسے بھیجا فرعون کے پاس

رسول کی پھر کہا نہ مانا فرعون نے رسول کا پھر پکڑی ہم نے اس کو وبال کی پکڑ۔"

کفار مکہ سے خطاب اہل مکہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک عظیم الشان عالی مرتبت رسول کریم کو بھیجا ہے تمہارا شاہد بنا کر جو ہمارے ہاں گواہی دیں گے کہ تمہارا ان کے ساتھ کیا معاملہ رہا؟ آیا ان کی دعوت کو قبول کیا یا اس سے انکار کرتے رہے؟ رسول کی بعثت کوئی نئی بات نہیں ان سے پیشتر بھی ایک رسول (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کو ہم نے فرعون کے پاس بھیجا تھا۔ ایسی ہی بعثت ان رسول (حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمہاری طرف عمل میں آئی ہے۔ فرعون نے اُن رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اس کو سختی کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ ایسی گرفت کہ اس سے پھر وہ کسی طرح چھوٹ نہ سکے۔

نام کی جگہ رسول کہنے کی وجہ یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ یاد نہ کر کے ان کے منصب جلیل (رسول) کے ساتھ یاد کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ کی نافرمانی نہیں کی بلکہ آپ جب تک اس کے محل میں تیس سال تک پرورش پا رہے تھے آپ کی ہر فرمائش کی بہ دل و جان اور بہ صد رغبت و شوق تکمیل کی جاتی رہی لیکن جب آپ منصب رسالت فائز ہوئے اور بحکم الہٰی اللہ سبحانہ کا پیغام سنانے کے لئے تشریف لائے تو فرعون نے

آپ کی ایک نہ سنی۔ لہذا یہ نافرمانی موسیٰ کی نہیں بلکہ درحقیقت رسول کی نافرمانی تھی۔ ٹھیک اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی عمر شریف کے چالیس سال مکہ مکرمہ میں گزارے تو ساری قوم نے آپ کی صداقت وامانت کو عام طور پر مان لیا تھا۔ اور آپ کو یہ لوگ جب کبھی یاد کرتے تو **محمد الصادق الامین** کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے مگر چالیس سال ختم ہونے پر حکم الٰہی سے جب آپ نے اعلان نبوت ورسالت فرمایا اور خدائے واحد اور قرآن کریم کی طرف بلانے لگے تو قوم نے آپ کی نافرمانی شروع کی تو یہ عصیان بھی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہ ہوا بلکہ در اصل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ہوا۔ ابوجہل صاف طور پر کہتا تھا کہ انا لا نکذ بك ولکن نکذ ب بما جئت به محمدؐ! ہم آپ کی تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ آپ جو ہم کو سنایا کرتے ہیں اس کو نہیں مانتے" اللہ سبحانہ نے بھی اس واقعہ کی خبر دی۔ ارشاد ہوا:۔ فانھم لا یکذ بونك ولکن الظٰلمین بآیات اللہ یجحدون۔ کفار آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیات کو جھٹلا رہے ہیں" ولا یحزنك قولھم۔ انکی یہ باتیں آپ کو غمگین نہ کریں" وہ آپ کی شان میں کچھ نہیں کہتے۔ وہ ہم کو کہہ رہے ہیں۔ ہم ہی ان کی خبر لیں گے۔ آپ ذرا صبر سے کام لیجئے۔ نتیجہ آپ خود دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟ ۔

حضرت موسیٰ کے ساتھ تشبیہ کی وجہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر بہت سارے انبیاء علیہم السلام تشریف لا چکے تھے مگر ان سب حضرات کے منجملہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے ساتھ یہاں تشبیہ اس بنا پر دی جارہی ہے کہ حضور کی بعثت شریفہ کے وقت قریش جیسے خوش حال تھے اور اس خوش حالی کا پتہ رحلۃ الشتآء والصیف سے ملتا ہے کہ جاڑوں کے موسم میں وہ یمن جیسے گرم ملک کو چلے جاتے۔ اور موسم گرما ملک شام جیسے سرد مقام میں بسر کرتے تھے۔ نیز اس ضمن میں انکی تجارت کو فروغ ہوتا تھا۔ مکہ مکرمہ کا مال شام ویمن کو لیجاتے اور وہاں اسکو فروخت کرکے نفع کماتے۔ پھر وہاں کا مال مکہ معظمہ کو لاکر یہاں فروخت کرلیتے اور اس میں بھی ان کا نفع ہوتا تھا۔ اسی لئے اللہ سبحانہ نے یہاں ان کو اولی النعمۃ کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔ قوم فرعون کا بھی یہی حال تھا کہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بناکر اس قوم نے بھی فرعون کی چہار صد سالہ حکومت میں خوب مزے اڑائے۔ فرعونیوں کے اس عیش وتنعم پر اترا کر فرعون نے خدائی کا دعوی کیا اور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگانے لگا اللہ سبحانہ نے فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا کہ اگر یہ قوم اپنے خیالات کی اصلاح کرلے اور خداوند تعالیٰ شانہ کے احکام کو مانے تو اس سے زیادہ لطف کی زندگی بسر کرتے رہیں لیکن فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی

ہدایات قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اس نافرمانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کی فوج غرقِ آب کردی گئی۔ یہی نہیں پھر آخرت کی نسبت فرمایا گیا:۔ ویوم القیامۃ ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ اور قیامت کے روز فرعون اور اس کے ساتھیوں کو سخت تر عذاب میں داخل کیا جائے "۔ ٹھیک اسی طرح قریش میں حضرت محمد عربی فداہ امی وابی تشریف فرما ہیں جو صرف رسول بنا کر ہی نہیں بھیجے گئے بلکہ رسولاً شاھداً علیکم ایسے پیغامبر جو تمہارے گواہ بن کر مبعوث ہوئے ہیں اگر ان کی اطاعت کروگے تو شاھد الکم ثابت ہوں گے ان کی شہادت سے تم کو نفع ہوگا۔ اور جو نافرمانی کروگے تو شاھد علیکم کی شان میں جلوہ گر ہوں گے ان کی گواہی تمہارے خلاف ہوگی جس سے تم کو دنیا اور آخرت دونوں میں ضرر پہنچیگا اور جو ابدالآباد کا خسارہ ہے۔ اور یہ گرفت فرعون اور فرعونیوں کی گرفت سے بھی سخت تر ہوگی کیونکہ ان کی گرفت موسی علیہ السلام کی نافرمانی کی بنا پر تھی اور تمہاری گرفت حضرت خاتم الانبیا علیہ الصلاۃ والسلام کی نافرمانی پر مبنی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء افضل الرسل ہیں صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ۝ قلے 73-17

السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ۝ پھر کیونکر بچوگے اگر منکر ہوگئے 73-18

اس دن سے، جو کر ڈالے بچوں کو بوڑھا، آسمان پھٹ جائیگا اس دن میں، اس کا وعدہ ہونے والا ہے۔"

کفار مکہ سے خطاب کفار مکہ سے خطاب ہو رہا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم کو دنیا میں جو سزا دی گئی فرض کرو کہ تم کو ایسی فوری سزا نہ بھی دی گئی تو ایک ہیبتناک دن آنے والا ہے جس کی شدت کا یہ حال ہوگا کہ اس دن نومولود بچے، بوڑھے ہو جائیں گے، آسمان جو تمام مخلوقات میں سب سے بڑا اور مستحکم تر نظر آتا ہے وہ اس دن کی ہولناکی اور شدت کے باعث پھٹ جائیگا تو اس دن کے عذاب سے تم اپنے آپ کو کسی طرح بچا سکو گے اگر تم اپنے کفر پر اڑے رہو گے۔ اپنے رسول کی ہدایات کو نہ مانو گے درحالیکہ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ اپنے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور ان کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل پیرا ہو۔ نیز تم قیامت کے بھی منکر ہو۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا ہر وعدہ اپنے وقت پر ہو کر رہتا ہے۔ لہٰذا اپنی جگہ خوب سوچو کہ تمہارے بچاؤ کی کیا صورت ہوگی؟

جنتیوں اور دوزخیوں کا تناسب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یقول اللہ تعالی یا ادم فیقول لبیک وسعدیک والخیر فی یدیک قال اخرج بعث النار

قال وما بعث النار؟ قال من کل الف تسعمائۃ وتسعۃ وتسعون فعندہ یشیب الصغیر وتضع کل ذات حمل حملھا وتری الناس سکاری وماھم بسکاری ولکن عذاب اللہ شدید۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: ۔ اے آدم! وہ فرمائیں گے۔ حاضر ہوں اور ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں اور ساری بھلائیاں آپ ہی کے ہاتھ ہیں" ارشاد ہوگا: ۔ دوزخ میں بھیجے جانیوالوں کو پیش کیجئے۔ حضرت آدم عرض کریں گے کہ دوزخ میں جانے والے کس حساب سے پیش کروں؟ حکم ہوگا کہ ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے۔ بس اس دہشت سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور ہر حاملہ کا وضع حمل ہو جائے گا اور لوگ نشیلے دکھائی دیں گے۔ درحالیکہ (درحقیقت) وہ نشہ پئے ہوئے نہ ہوں گے لیکن (دراصل) یہ اللہ کے عذاب کی سختی ہوگی"۔

مسلمانوں اور یاجوج ماجوج میں تناسب

قالوا یارسول اللہ واینا ذلک الواحد قال ابشروا فان منکم رجلا ومن یاجوج وماجوج الف ثم قال والذی نفسی بیدہ ارجوان تکونوا ربع اھل الجنۃ فکبرنا فقال ارجوان تکونوا ثلث اھل الجنۃ فکبرنا فقال ارجوان تکونوا نصف اھل الجنۃ فکبرنا فقال ما انتم فی الناس الا کالشعرۃ السوداء فی جلد

ثوراً ابیض او کشعرۃ بیضاء فی جلد ثور اسود (بخاری، مسلم) صحابہؓ نے عرض کیا:۔
یارسول اللہ! (ہزار میں سے نجات پانے والا) وہ ایک ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا:۔
خوش ہوجاؤ کہ تم میں کا ایک تو (اس کے مقابل) یاجوج ماجوج ایک ہزار ہوں گے۔
پھر فرمایا:۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے امید
ہے کہ چوتھائی حصہ اہل جنت کا تم ہی ہوگے۔ (یہ سنتے ہی) ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔
پھر فرمایا:۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ اہل جنت کی ایک تہائی تعداد تمھاری ہی ہوگی پھر
ہم نے نعرۂ تکبیر لگایا۔ پھر ارشاد فرمایا:۔ مجھے یہاں تک آس لگی ہوئی ہے کہ آدھے اہل
جنت تم ہی ہوگے۔ پھر ہم نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ سب
لوگوں میں تمھارا تناسب ایسا ہی ہے جیسے سفید بیل کی جلد میں کوئی سیاہ بال ہوتا ہے
یا کسی سیاہ بیل کی جلد میں کوئی سفید بال ہوتا ہے۔"

محض اکثریت موجب نجات نہیں یہاں مدعیان اکثریت کے لئے ایک سبق ہے جو اقلیتوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انسان کی نجات اور کامیابی اقلیت و اکثریت پر نہیں بلکہ اس کے لئے خداترسی اور تقویٰ کی ضرورت ہے۔ اکثریت وہاں دوزخ کا ایندھن بنیگی۔ اور دنیا میں بھی ایسا ہوا ہے:۔ وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ۔ ایسی کتنی مثالیں گزرچکی ہیں کہ مٹھی بھر جماعت نے خدا کے حکم سے

بڑی سے بڑی افواج کے قدم اکھاڑ دیئے۔"

یجعل الولدان کی تفسیر بچوں کا بوڑھا ہو جانا یا آسمان کا پھٹ جانا جو یہاں ارشاد ہوا ہے اسکو بعض مفسرین کرام نے بطور فرض و تقدیر یا تشبیہ و تمثیل قرار دیا ہے۔ مطلب یہ کہ قیامت کا دن ایسا دہشتناک ہوگا کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ اس دن کوئی بچہ پیدا ہوتا تو دہشت کے مارے بوڑھا ہو جاتا۔ اور بعض حضرات نے یوں تاویل کی ہے کہ قیامت کا دن چونکہ پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا اسلئے اسکی درازی لازمی طور پر بچوں کو بوڑھا بنا دیگی لیکن باقی مفسرین عظام نے اس کو حقیقت قرار دیا ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول مرجح ہے۔ جس کی تائید شیوخ المحدثین بخاری و مسلم کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو ابھی مذکور ہوئی۔

جوان کا ایک آن میں بوڑھا ہو جانا علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جوان شخص رات کو سو رہا تو اسکے بال نہایت سیاہ تھے صبح اٹھا تو تمام بال سفید ہو چکے تھے۔ سبب دریافت کیا گیا تو اس نے بیان کیا:۔ أریت القیامة والجنة والنار ورأیت الناس یقادون فی السلاسل الی النار فمن هول ذلک اصبحت کما ترونی۔ مجھے خواب میں قیامت کا دن اور جنت و دوزخ دکھائی گئی اور میں نے اس حالت میں لوگوں کو دیکھا کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے دوزخ کی سمت انکو لیجایا جا رہا ہے۔ بس اس ہولناک منظر سے میرا یہ حال ہو گیا جس کو آپ سب دیکھ رہے ہیں۔"

جوان میت کا بوڑھا ہو جانا احمد دورقی کا ایک خواب لکھا ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک نوجوان شخص کا انتقال ہو گیا تھا اسکو میں نے ایک رات دیکھا کہ وہ بالکل بوڑھا ہو گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ تیرا یہ کیا حال ہو گیا؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بدعقیدہ شخص جو خلق قرآن کا قائل تھا اور اس بداعتقادی میں بہتوں کو اپنا شکار بنا چکا تھا مر گیا اور ہمارے قبرستان میں اسکو دفن کر دیا گیا اسکے دفن کے ساتھ ہی دوزخ نے ایک سانس لی جسکے اثر سے اس مقبرے کے تمام لوگوں کا یہی حال ہو گیا ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔

بہرحال بچے بوڑھے بن جانا ثابت ہے تو آسمان کا پھٹ جانا بھی حقیقت ہے کسی تاویل کی حاجت نہیں۔ اور جب قیامت کی ہولناکی اس درجہ ہے کہ آسمان جیسی بڑی اور قوی و مستحکم مخلوق پارہ پارہ ہو جائیگی تو دوسری چیزوں کا کیا ذکر؟ رضینا باللّٰہ ربا و بالاسلام دینا و بالقرآن اماما و بسیدنا محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم نبیا و رسولا و بالکعبۃ قبلۃ و بالمومنین کلھم اخوانا۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ع 73-19

یہ تو نصیحت ہے پھر جو کوئی چاہے بنالے اپنے رب کی طرف راہ۔

قرآن کریم یاد دہانی فرماتا ہے ارشاد باری اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا سے یہاں تک جس قدر بیان ہوا وہ یاد دہانی، نصیحت اور محض خیرخواہی کے طور پر ہے۔ نصیحت تھی جو مخلصانہ طور پر سنادی گئی۔ نصیحت لینا اور اس کو مان کر اس کی بموجب عمل کرنا ہر شخص کا اختیاری ہے۔ اللّٰہ سبحانہ کی طرف سے کسی پر کوئی جبر نہیں ہے۔ سوچو اور غور کرو۔ اگر ہزار درجے ہماری نصیحت بھلی اور سودمند معلوم ہوتی ہے تو اس پر عمل کرو:

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

انسان کی خود مختاری اللہ سبحانہ سے ملنے کی راہ کھلی ہوئی ہے۔ فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ جو چاہے راہِ ایمان واسلام اختیار کرے جو امن و سلامتی کی راہ ہے۔ اور جو چاہے طریق کفر اختیار کرلے مگر یاد رہے کہ اس میں تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ چونکہ ہم نے انسان کو اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ فی الارض بنایا ہے اختیار و اقتدار تفویض کردینے کے بعد پھر اس کو واپس نہیں لیا جائیگا۔ مگر اختیار و اقتدار رکھنے والے کو غور کرنا ہوگا کہ اس اختیار و اقتدار کا استعمال کس طرح کیا جائے؟ کیا تخلقوا باخلاق اللہ کے طریق پر یا اس کے برخلاف۔ مرضیاتِ الٰہی پر چل کر یا اس سے منحرف ہوکر۔ جو صورت بھی پسند ہو اپنی پسند اور اپنی مرضی اور چاہت سے اختیار کرلو۔ اپنی عقل و خرد اور اپنے علم و تجربہ سے کام لو۔ اگر راہ حق پسند آئے اور وہ ہر طرح پسند آنے کے قابل ہے بھی اس لئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ بہ نسبت دوسری تمام چیزوں کے ہم سے قریب تر ہے۔ اتنا قریب کہ رگ جان سے بھی قریب تر ہے۔ ونحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ لیکن ہم ہیں کہ اس کی اس قدر نزدیکی کے باوجود اس سے دور اور دور تر ہیں۔

یار نزدیک من ہست از من   وین عجب تر کہ من از وے دورم

حجاب اللہ یہ دوری کس بنا پر ہے؟ یا تو غفلت کے باعث ہے اور یہی غفلت

حجاب بنی ہوئی ہے یا اللہ سبحانہ کی عظمت و کبریائی کا حجاب ہے۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ان اللہ تعالی بیضا و سبعین الف حجاب من نور وظلمۃ لو کشفت لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ اور مسلم شریف میں حضرت ابو موسی اشعریؓ سے اس طرح مروی ہے۔ حجابہ النور لو کشفہ لاحرقت سبحات وجھہ ما انتھی الیہ بصرہ من خلقہ۔ اور حضرت ابن عمرؓ سے اس طرح روایت ہے:۔ للہ دون العرش سبعون حجابا لو دنونا من احد ھا لاحرقتنا سبحات وجہ ربنا۔ اللہ سبحانہ کے حجابات نور اور ظلمت کے ستر ہزار سے زائد ہیں اگر وہ اٹھا دئے جائیں تو اس کے انوار ذات سے سارا عالم جل جائے۔" مسلم شریف کی روایت میں صرف حجاب نور کا بیان ہے کہ اگر وہ اٹھ جائے تو تمام مخلوقات اس کے نور کی تیزی سے جل اٹھیں" اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں عرش اعظم کے ستر حجابات کا بیان ہے کہ اگر ہم ان میں سے کسی ایک حجاب سے بھی نزدیک ہو جائیں تو رب العزت جل جلالہ کے انوار ذات ہم کو جلا کر خاکستر کر دیں" ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ یہ حجابات بھی ہمارے لئے نعمت اور آیۂ رحمت ہیں۔ ورنہ ان کے آگے مخلوقات کے ضعف کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی اس کے آگے ٹھہر نہیں سکتا۔ الا من شاء اللہ۔ مگر جس کو خدا چاہے" حضرت موسی کلیم علیہ التحیۃ والتسلیم ایک ہی تجلی میں

بے ہوش ہو گئے۔ باایں ہمہ اس ایک دید کی وہ شان تھی کہ اندھیری سے اندھیری راتوں میں میلوں دور سیاہ پہاڑوں پر سے سیاہ چیونٹی کو چلتی ہوئی آپ دیکھ لیتے تھے۔ یہ حصہ تو صرف حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا تھا کہ ما زاغ البصر وما طغیٰ لقد رأی من آیات ربہ الکبریٰ۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسّمے

اولیائے کاملین حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں بعض اولیائے کاملین کو بھی یہ درجہ حاصل تھا کہ انوار جلال الٰہی ان کے روشن چہروں سے نمایاں تھے اور کوئی انکو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ شفقت علیٰ خلق اللہ کے مدنظر یہ محبوبان خدا اپنے نورانی چہروں پر نقاب ڈال لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ابوالفتح سید محمد حسینی شاہ کلبرگہ قدس سرہ العزیز کے احوال شریف میں ہے کہ آپ بھی از راہ شفقت علی الخلق نقاب ڈالے رہتے تھے۔ استاد جلیل لکھتے ہیں:-

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

بہر حال یہ ثمرات تقرب الی اللہ کے ہیں جس کا زینہ تہجد ہے جو قرب نوافل کی صورت ہے یا نماز باجماعت جو قرب فرائض کی دولت ہے۔ اب سالک کی ہمت پر موقوف ہے فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا کہ جو کوئی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کرے"

خواہ قرب نوافل ہو یا قرب فرائض، یا دونوں۔ واللہ الموفق۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ 73-20
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن
تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ
مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ
وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا
لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ ع ۲/۱۴

آپ کھڑے رہتے ہیں نزدیک دو تہائی رات کے اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے اور کتنے لوگ آپ کے ساتھ کے اور اللہ ناپتا ہے رات کو اور دن کو اس نے جانا کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے لہٰذا تم پر معافی بھیجدی اب پڑھا کرو جتنا آسان ہو تم کو قرآن جانا کہ کتنے ہوں گے تم میں بیمار اور کتنے اور لوگ جو پھرتے رہتے ہیں ملک میں ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو اور کتنے لوگ لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں لہٰذا پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اس میں سے اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا

اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں

زیادہ اور معافی مانگتے رہو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے "

رہنمایان امت قیام لیل کا حکم عزور دلایا تو آغاز سورۂ ہذا میں عرض کیا گیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کمال ذوق و شوق اور حد درجہ اہتمام و دلچسپی کے ساتھ اس میں حصہ لیا۔ تہائی رات نصف شب بلکہ تقریباً دو تہائی رات عبادت میں گزارتے رہے۔ اللہ سبحانہ کو منظور تھا کہ قیامت تک آنے والی نسلوں کی قیادت جن مبارک ہاتھوں میں دیجانے والی ہے ان کا ربط و ضبط اللہ سبحانہ کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ بعض اصحاب نے یہاں تک اہتمام شان اس امر الٰہی کا ملحوظ رکھا کہ اپنے سر اور سر کے بال رسی سے باندھ لئے کہ قیام لیل کی جو حد بتائی گئی ہے اس میں کسی طرح کمی نہ آنے پائے اور بعض اصحاب ساری ساری رات عبادت ہی میں مشغول و موظف رہے۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ امۃ مرحومہ کے قائدین آئندہ بھی وہی ہو سکتے ہیں جو سلف صالحین کی اس سنت سنیہ پر عامل ہوں۔ اور اسی صبغۃ اللہ کے بہترین رنگ میں رنگے ہوئے ہوں۔

حضور اکرمؐ اور جماعت صحابہؓ کے قیام لیل کا اعتراف یہاں بارگاہ رب العزت جل جلالہٗ و عم نوالہ سے امتثال امر الٰہی کی اس اعلیٰ مثال کا اعتراف فرمایا

جا رہا ہے کہ (اے نبی کریم!) بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ کھڑے رہتے ہیں نزدیک دو تہائی رات کے، اور آدھی رات کے اور تہائی رات کے۔" حکم بھی اسی صراحت کیساتھ ہوا تھا۔ قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ۔ رات کو قیام کیا کیجیے مگر کسی رات۔ آدھی رات، یا اس سے کچھ کم، یا اس پر کچھ زیادہ "۔ امتثال حکم بھی بے کم و کاست اسی شان کے ساتھ ہوتا رہا۔ پھر اس پر مستزادیہ کہ حکم ہوا تھا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔ مگر اس کی تعمیل اس حسن و خوبی کے ساتھ کہ نہ صرف آپ نے اپنے وجود باجود سے کی بلکہ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ۔ اور کتنے لوگ آپ کے ساتھ کے " وہ بھی اس امر خاص کی بجا آوری میں لگے رہے۔

واللہ یقدر اللیل والنہار کی تفسیر رات دن کی ساعات کا یہ حال ہے کہ وہ بڑھتی گھٹتی رہتی ہیں کبھی دونوں کی ساعتیں برابر برابر رہتی ہیں اور کبھی رات کی ساعتیں بڑھ جاتی ہیں تو ساعات نہار کم ہوجاتے ہیں، اور کبھی ساعات نہار بڑھ جاتے ہیں تو رات کی ساعتیں گھٹ جاتی ہیں۔ ان حالات میں لازمی ہے کہ ثلث لیل نصف لیل اور دو ثلث لیل کی تعیین بھی ایک حال پر نہیں رہ سکتی۔ پھر اس کی پابندی اور وہ بھی ایسے عہد میں جبکہ گھڑیالوں اور گھنٹوں کا وجود نہ تھا اور بھی دشوار تر تھا۔ مگر آفریں اُن عالی ہمت افراد پر کہ ان تمام دشواریوں پر نظر کیے بغیر امتثال امر میں لگے رہے۔

چنانچہ اس امر کا بھی اعتراف کھلے طور پر فرمایا جا رہا ہے۔ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اور اللہ ناپتا ہے رات کو اور دن کو " کہ رات دن کی ساعات کن ایام میں کتنی ہوتی ہیں؟
اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ اللہ سبحانہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم اس کا
حقیقی شمار کر ہی نہیں سکتے " علمائے ہیئت نے اوقات طلوع و غروب اپنے دیرینہ
تجربات و مشاہدات سے معلوم کئے ہیں اور اس پر کتابیں لکھی ہیں جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا
ہے کہ نقطۂ طلوع و غروب ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اور اس کا اثر اوقات طلوع و غروب پر
پڑتا رہتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تہائی نصف اور دو تہائی رات کا وقت بھی
یکساں نہیں رہیگا۔ پھر طول بلد اور عرض بلد کے بدل جانے سے ایک مقام کا طلوع و
غروب دوسرے مقام کے طلوع و غروب کے مطابق نہ ہوگا۔

علم ہیئت ناقص ہے پھر علمائے ہیئت نے جو کچھ دریافت کیا ہے وہ حقیقی
اوقات نہیں بلکہ تقریبی ہیں۔ لہٰذا یہ دریافت یقینی نہیں بلکہ ظنی و تخمینی ہے کیونکہ
رات دن کے ساعات میں کچھ کسرات بھی ہیں جن کو ثلث نصف اور دو ثلث میں بھی
ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کوئی میزان یا معیار نہیں جس سے ان کسور کو متعین کیا جا سکے اور
الفاظ نہیں جن کے ذریعہ اس کو بیان کیا جا سکے۔ نیز یہ علم ابھی پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ
سکا۔ نہ معلوم تکمیل تک کتنا زمانہ گزریگا۔ اس سے انسان کی بے بسی اور عاجزی کا

پتہ چلتا ہے اور اسی سے خداوند تعالیٰ شانہ کا علم اور اس کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے۔ فسبحان من علیم قدیر۔

حقیقی علم اللہ کو ہے تقریر بالا سے ثابت ہوا کہ حقیقی علم نہ صرف ان اوقات کا بلکہ ہر چیز کا اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے:۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ۔ وہ جانتا ہے کہ تم اس کا شمار کر ہی نہیں سکتے۔" یہی سبب تھا کہ ثلث، نصف اور دو ثلث لیل کے قیام کے لئے اور اس حکم کی تعمیل سے یقیناً عہدہ برآ ہونے کے لئے، سابقین اولین کو یہ اہتمام کرنا پڑا کہ حقیقی ثلث کی تکمیل کی خاطر ثلث سے کچھ زیادہ ہی قیام کرنے لگے جو نصف شب کے قریب آن پہنچا۔ پھر نصف شب کے قیام کے مدنظر، اس سے کچھ زائد قیام کرتے رہے جو دو ثلث کے قریب ہو گیا۔ پھر دو تہائی رات کا قیام یقینی ہونے کے لئے اس سے کچھ زیادہ قیام کیا جاتا رہا جس کے باعث ساری ساری رات قیام ہی قیام میں بسر ہونے لگی۔ وسعت و طاقت انسانی میں جہاں تک تھا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ حکمت الٰہی اسکی مقتضی تھی کہ ان کا امتحان کیا جائے۔ یہ نفوس قدسیہ اس میں پورے اترے۔ اور ریاضات شاقہ میں درجۂ کمال کو پہنچانا تھا۔ یہ پہنچ گئے۔ بارگاہ ایزدی سے ان کے اس کمال کا اعتراف واعلان فرمایا گیا۔ اور اس کی سند عطا ہوئی۔ اس کے بعد ارشاد ہوا:۔

قیام لیل میں تخفیف فَتَابَ عَلَیْکُمْ۔ لہٰذا تم پر معافی بھیجدی "یعنی قیام لیل کی اس شدت میں تخفیف کردی گئی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی اور آپ کے طفیل میں ان سابقین اولین کے حق میں بھی تاکہ اس تخفیف سے نہ صرف یہ نفوس قدسیہ متمتع ہوں بلکہ جو نسلیں قیامت تک آنے والی ہیں ان پر بھی حضور اکرمؐ کی اس سنت سنیہ اور اسوۂ حسنہ پر عمل آوری آسان ہو جائے۔ چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:-

فالحمد للہ الذی جعلہ تطوعا بعد فریضۃ ولا بد من قیام اللیل

(عبد بن حمید) ساری تعریف اللہ سبحانہ کے لئے مختص ہے جس نے قیام لیل کو فریضہ مقرر کرنے کے بعد اس کو نفل گردانا" تاہم رات کو اٹھنا اگرچہ تھوڑی دیر کے لئے ہو ضروری ہے" مطلب یہ کہ قیام لیل منسوخ نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی فرضیت اور طوالت باقی نہیں رہی۔ نفس قیام لیل کچھ نہ کچھ مطلوب و محبوب ہے۔

نماز تہجد میں تخفیف ارشاد ہو رہا ہے:۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ اب پڑھا کرو جس قدر قرآن کا پڑھنا تم کو آسان ہو" مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں قرات قرآن سے نماز مراد ہے۔ یعنی جتنی نماز تم کو آسان معلوم ہو اتنی ہی پڑھا کرو۔ تہجد کی آٹھ[عہ] رکعتیں ہیں۔ ان میں سے جتنی ہو سکے دو، چار، چھ، آٹھ پڑھ لیا کرو۔ قرات قرآن بھی نماز کا ایک جزو اور رکن اعظم ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جزو کہہ کر کل مراد

عہ بعض روایات میں بارہ رکعتیں بھی آئی ہیں مگر یہ روایات ضعیف ہیں۔

لیا جاتا ہے ۔ یہاں بھی جزو نماز یعنی قرارت قرآن کہہ کر کُل یعنی نماز مراد ہے جیسے
دوسری جگہ ارکعوا اسجدوا کہہ کر نماز مراد لی گئی ہے ۔ ورنہ ظاہر ہے کہ رکوع و
سجود جزو نماز ہیں ۔ آگے اسباب تخفیف پر روشنی ڈالی جارہی ہے ۔

اسباب تخفیف ارشاد ہے : ۔ عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ
يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ اس کو معلوم ہے کہ کتنے تم میں بیمار ہوں گے (جو بستر مرض پر پڑے
ہوں گے قیام لیل ان سے نہیں ہو سکتا) اور کتنے اور لوگ ہوں گے جو پھرتے رہتے ہیں
زمین میں (ملک میں یا بیرون ملک ، دور دراز سفر پر) ڈھونڈتے اللہ کے فضل کو (علم
دین کی طلب میں نکلے ہوئے ہوں گے یا طلب معاش کی خاطر سفر کر رہے ہوں گے ۔
دنیوی علوم کے طلبگار ، یا کسی ہنر کو حاصل کرنے کے لئے نکلنے والے بھی اس میں داخل ہیں کہ
اس علم و ہنر کے ذریعۂ انسان روزی کمانے کے قابل ہوتا ہے) ان حالات میں ظاہر
ہے کہ راتوں کو اٹھنا اور عبادت میں مشغول رہنا آسان نہیں ۔ اس سے مرض
بڑھیگا ، سفر کھوٹا ہوگا ، اور تحصیل علم یا کسب معیشت اور ہنر سیکھنے میں رکاوٹ ہوگی
اور یہ بھی حق سبحانہ کو معلوم ہے کہ کتنے اور لوگ ہیں جو لڑتے ہوں گے راہ خدا میں ۔
(یعنی مجاہدین فی سبیل اللہ) ۔ ان تمام حالات کے مدنظر پوری امت مرحومہ پر قیام لیل کے

باب میں تخفیف کر دی گئی۔ اور اس درجہ سہولت بخشی گئی کہ معمولی طور پر قیام لیل جو محض رسمی رہ گیا ہے وہ ایک بیمار کے لئے بھی آسان ہے۔ مسافر طالب علم یا تاجر کے لیے بھی اور مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے بھی بلکہ ساری امت مرحومہ کے لیے بھی۔ کوئی ضعیف و ناتواں ہو یا کمزور عورت ہو۔

قرارت میں تخفیف فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ لہذا پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو اس میں سے۔" یعنی قرآن کریم کا جس قدر حصہ پڑھنا آسان ہو اسیقدر پڑھ لیا کرو۔ اس سے فاقرء وا ما تیسر من القرآن کا حکم جو اوپر گزرا اس کی تکرار و تاکید منظور نہیں کیونکہ حکم بالا میں قرارت سے نماز مراد تھی۔ البتہ یہاں فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ سے قرارت ہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ نماز جس قدر آسان ہو دوگانہ' دو دوگانے یا تین یا چار دوگانے' پڑھ لیا کریں' پھر اس نماز میں قرارت کی بھی کوئی تحدید نہیں جتنی قرارت آسان دکھائی دے۔ ترتیل اور توجہ حضور قلب اور دلچسپی کیا تھ اسیقدر قرات کافی ہے۔ مخصوص سورتوں یا طویل سورتوں کی تخصیص نہیں۔

امام اعظمؒ کا استنباط حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نے یہیں سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا کہ نماز میں قرارت کی مقدار فرض اتنی ہی ہے جس پر از روئے لغت قرارت کا اطلاق ہوتا ہے یعنی ایک آیت یا اس کی مقدار اس کا کوئی حصہ۔ سورہ فاتحہ اور ضم سورہ کی

فرضیت اس آیۂ کریمہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ البتہ احادیث شریفہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل مبارک سے وجوب نکلتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ایک ایک رکعت میں صرف ایک ہی آیت پڑھ لے تو فریضۂ قراءت ادا ہو جائے گا۔ البتہ سورۂ فاتحہ یا ضم سورہ جو واجب ہے اس کے ترک کی وجہ سے اس کی نماز ناقص رہیگی۔ اور اگر فاتحہ و ضم سورہ کے ساتھ نماز ادا ہو تو ادائے کامل متصور ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ایک نکتہ اسبابِ تخفیف جو اوپر بتائے گئے اس میں یہ رہنمائی بھی مقصود ہے کہ مسلمانوں کو بحالت تندرستی، طلب علم، تحصیل اسباب معاش، کسب ہنر اور جہاد فی سبیل اللہ کیلئے خود کو تیار رکھنا چاہیئے۔ اگر جاہل رہیں گے تو کسی کام کے نہیں رہیں گے۔ اپنی روزی آپ کمانے کی فکر کرنی ہوگی۔ کوئی ہنر سیکھنا ہوگا۔ اب آسمان سے من وسلوٰی یا مائدہ نہیں اتریگا۔ اگر زندگی چاہتے ہیں تو راہ خدا میں اپنے مال اور جان کی بازی لگانے کے لیئے ہر وقت تیار رہنا ہوگا۔ یہی اسباب حیات ہیں اور اسی کی خاطر یہ تخفیف عمل میں آئی ہے۔

تلاوت خارج نماز یہاں ایک مسئلہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان کو ہر رات میں ایک سو آیات کریمہ کی تلاوت کرنی چاہیے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ من قرأ فی لیلۃ مائۃ آیۃ لم یحاجہ القرآن۔ جو کوئی شخص

رات کو سو آیات پڑھ لیا کرے تو قرآن کریم کو اس سے کوئی شکوہ نہ ہوگا" علامہ طیبی طاب اللہ ثراہ اس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں :۔ ان قراءتہ لازمۃ لکل انسان واجبۃ علیہ فاذا لم یقرأ یخاصمہ اللہ و یغلبہ بالحجۃ "سو آیات کی تلاوت ہر انسان کے لئے لازم ہے اور یہ مقدار تلاوت اس پر واجب ہے اگر کوئی نہ پڑھیگا تو اللہ سبحانہ تعالیٰ اس سے مطالبہ فرمائیگا اور بازپرس ہوگی پھر اللہ سبحانہ کی حجت ہی اس پر غالب آئے گی " یہ قرأت خارج نماز ہے۔ جن کو پڑھنا آتا ہے وہ پڑھا کریں۔ اور جو پڑھنا نہیں جانتے وہ دوسروں سے سنا کریں۔ اس کیلئے رات کو تھوڑا سا وقت روزانہ نکالنا چاہیئے۔ روزانہ رات میں سو آیات کریمہ کی تلاوت کرنا یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ اور جن سے یہ نہو سکے ان کا بیان آگے آرہا ہے۔

سو آیات کی تلاوت نماز میں ہو یا خارج نماز

اسی طرح تہجد میں بھی یہی مقدار قرارت کی ہونی چاہیئے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کی تفسیر میں فرمایا:۔ مائۃ آیۃ (ابن ابی حاتم طبرانی ابن مردویہ عن ابن عباس) ما تیسر سے سو آیات مراد ہیں " اب اختیار ہے کہ سو آیات کی تلاوت نماز میں ہوا کرے یا خارج نماز۔ قرآن کریم کو اس شخص سے شکوہ نہو گا۔

تلاوت نہ جاننے والوں کیلئے سہولت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

یہ بھی ارشاد مبارک ہے :۔ من قرأ بالآیتین من سورۃ البقرۃ فی لیلۃ کفتاہ۔ جس کسی نے سورۂ بقر کی دو آیتیں بھی رات کو پڑھ لیں تو وہ اس کے لئے کافی ہیں" دو آیتوں سے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں آمن الرسول سے آخر سورت تک مراد ہیں۔ نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا :۔ ایعجز احد کم ان یقرأ فی لیلۃ ثلث القران قالوا وکیف یقرأ ثلث القرآن قال قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن۔ کیا تم میں کا کوئی شخص رات میں ایک تہائی قرآن پڑھنے سے بھی عاجز ہے؟ یہ سن کر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا کہ روزانہ ایک تہائی قرآن کی تلاوت کوئی کیسے کر سکیگا؟ اس پر ارشاد ہوا کہ قل ھو اللہ احد (کی سورت یعنی سورۂ اخلاص) ایک تہائی قرآن کا ہم پلہ ہے" جو لوگ پڑھ نہیں سکتے کم از کم اسی پر عمل پیرا ہوں۔

اقامت صلاۃ و ایتائے زکاۃ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ" قیام لیل کے مدارج اوپر بتائے جا چکے ہیں۔ اگر کسی سے کسی درجہ کی تکمیل بھی نہ ہو سکے تو کم از کم اس کو نماز با جماعت کا پابند رہنا چاہیے خصوصاً نماز عشا اور نماز فجر کی جماعت نہ چھوڑیں کہ یہ دو نمازیں منافقین پر گراں گزرتی ہیں۔ عشا کی جماعت میں شریک ہو جائیں تو نصف شب کے قیام کا ثواب ملتا ہے اور جماعت

فجر بھی مل جائے تو گویا وہ ساری رات قیام میں رہا۔ اور جو لوگ غنی مالدار صاحب نصاب ہیں وہ سالانہ زکاۃ اپنے مال کی شریعت کے حکم کے مطابق دیتے رہیں کہ نماز کی طرح زکاۃ بھی مسلمانوں پر فرض ہے۔ فرائض کی بروقت ادائی ہوتی رہے تو یہی نجات کے لئے کافی ہے۔ پنجگانہ نمازوں کے فرض ہونیکے بعد تہجد کی فرضیت باقی نہیں رہی اب تہجد نفل ہے۔

قرض حسن کی تفسیر وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ اور قرض دیا کرو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا۔ یعنی نماز فرض اور زکاۃ مفروضہ کے علاوہ دوسرے کارہائے خیر میں بھی جس قدر ہوسکے حصہ لیا کرو۔ کار خیر میں حصہ لینے کی تعبیر قرض کیساتھ کرتے ہیں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح حاصل کیا ہوا قرض پائی پائی رتی رتی ادا کیا جاتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ بھی تمھاری ہر نیکی ہر خیرات اور صدقہ کی بہترین جزا تم کو آخرت میں یا دنیا و آخرت دونوں میں دیگا۔ مگر جو کچھ ہو بطیب خاطر خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ نام و نمود کے لئے کرو گے تو یہ ریاکاری ہوگی اور ریاکاری سے عمل کا ثواب جاتا رہتا ہے۔

قرض حسن کیا ہے امام قشیری فرماتے ہیں:۔ ویتوجہ الخطاب بھذا علی الاغنیاء فی بذل اموالھم وعلی الفقراء فی عن مراخلاءھم اوقاتھم عن مراد الحق ومراقبتہ علی مراد انفسھم فالغنی یقال لہ آثر حکمی علی مرادک فی مالک وغیرہ والفقیر یقال لہ آثر حکمی فی نفسک وقلبک ووقتک۔

(حاشیہ جمل علی الجلالین) اقرضوا اللہ کا خطاب اغنیاء سے اس طرح ہے کہ وہ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں۔ اور یہ خطاب فقراء ناداروں سے بایں طور ہے کہ وہ اپنے نقد وقت کو مرضی الٰہی کے سوا اور کسی طرف اپنی مرضی سے صرف نہ کیا کریں ہمیشہ اسکی نگرانی رکھیں۔ غنی اور مالدار سے یوں کہا جا رہا ہے کہ اپنے مال وغیرہ میں اپنے ارادے پر میرے حکم کو ترجیح دیا کرو۔ اور فقیر سے یوں کہا جا رہا ہے کہ اپنی ذات اور اپنے دل اور اپنے نقد وقت میں میرے ہی حکم کو ترجیح دیتے رہو۔"

قرض حسن کی اہمیت حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یقول اللہ استقرضت عبدی فلم یقرضنی وشتمنی عبدی وھو لا یدری یقول وادھراہ وادھراہ وانا الدھر۔ (حاکم بروایت صحیح)

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہوگا کہ ہم نے اپنے بندے سے صرف قرض طلب کیا تو اس نے ہم کو قرض تک نہ دیا۔ اس نے تو ہم کو گالی دی اور اس کو خبر تک نہیں کہ یہ گالی تھی۔ وہ کہتا رہا ہائے زمانہ ہائے زمانہ۔ درحالیکہ ہم خود زمانہ ہیں۔ (سارے زمانے کو چلانے والے)"

قرض حسن کی سہل تر صورت ایک بزرگ کی عادت تھی کہ جب وہ کسی سائل سے یہ سُن پاتے:۔ من یقرض اللہ قرضا حسنا۔ کوئی ہے جو اللہ سبحانہ کو بطیب خاطر قرض دے تو کہتے:۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

ھذا القرض الحسن۔ (عبد بن حمید) یعنی تسبیح مذکور پڑھ دیا کرتے اور فرماتے کہ یہی قرضہ حسنہ ہے" مطلب یہ کہ اگر کسی سے کچھ نہ ہو سکے تو یہی پڑھ دیا کرے۔

کوئی نیکی ضائع نہیں جاتی

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا۔ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے واسطے کوئی نیکی اس کو پاؤ گے اللہ کے پاس بہتر اور ثواب میں زیادہ" یعنی انسان کو چاہئے کہ دنیا میں اس سے جو نیکی ہو سکے چھوٹی یا بڑی اس کو کر گزرے۔ یہ نیکی ضائع نہ ہو گی۔ بلکہ وہ اللہ سبحانہ کے ہاں بہتر صورت میں محفوظ رہیگی اور اس کا بہت زیادہ ثواب اس کو ملیگا جو عین حاجت اور ضرورت کے وقت کام آئیگا۔ نفل عبادت ہے تو وہ کام آئیگی اور نفل خیرات و صدقہ ہو تو وہ کام آئیگا۔

اپنا مال کونسا ہے اور وارثوں کا کونسا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن دریافت فرمایا:۔ ایکم ماله احب اليه من مال وارثه قالوا ما منا احد الا ماله احب اليه من مال وارثه قال اعلموا ما تقولون قالوا ما نعلم الا ذلك يا رسول الله قال ما منكم رجل الا مال وارثه احب اليه من ماله قالوا كيف يا رسول الله قال انما مال احدكم ما قدم ومال وارثه ما اخر (بغوی) تم میں وہ کون

شخص ہے جس کے نزدیک اس کا اپنا مال، اپنے وارث کے مال کے مقابلہ میں زیادہ تر پسند ہو؟ اس پر صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا ہم میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو اپنا مال، اپنے وارث کے مال سے محبوب تر نہ ہو۔ (ہر شخص اپنے مال کو زیادہ محبوب جانتا ہے۔ اپنے وارث کے مال سے اس کو اتنی محبت نہیں ہوتی) ارشاد ہوا کہ ذرا سمجھ کر جواب دو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ صحابۂ کرامؓ نے پھر یہی کہا کہ جو جواب ہم نے عرض کیا ہے واقعہ یہی ہے اس کے سوا ہم کو یا رسول اللہ! اور کچھ نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کو اپنے وارث کا مال، اپنے مال سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (تم سب اپنے وارث کے مال سے جتنی زیادہ محبت رکھتے ہو۔ اپنے مال سے اتنی محبت نہیں رکھتے) صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس پر ارشاد ہوا کہ تمہارا مال تو وہی ہے جس کو تم نے اپنے سامنے اللہ سبحانہ کے پاس بھیج دیا۔ اور جس کو جتن کر رکھے ہو وہ وارث کا مال ہے" تمہارا مال نہیں۔ مطلب یہ کہ راہ خدا میں خرچ کرنے کے بدلے تم مال اٹھا رکھنا چاہتے ہو تو یہ مال وارث کا ہوا تمہارا نہ ہوا۔

استغفار کی ضرورت واہمیت وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے" یہاں یہ تعلیم مقصود ہے کہ انسان اپنے اعمال صالحہ کو خاطر میں نہ لائے اور نہ ان پر بھروسہ

کرے کیونکہ ہمارا کوئی کام خواہ کتنے ہی احتیاط سے کیا جائے اس میں کوتاہیاں رہجاتی ہیں پھر بندہ جو عمل بھی کرے اگرچہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کے آگے وہ کچھ بھی قدر و قیمت نہیں رکھتا اس لئے بہتر یہی ہے کہ انسان کام سے فارغ ہوتے ہی اپنے عجز و قصور اور ذلت و افتقار کو پیش نظر رکھکر اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرے اور اللہ سے معافی کا خواستگار ہو۔ اللہ سبحانہ کی ذات ازلاً ابداً غفور رحیم ہے معافی مانگنے والوں کو نہ صرف معاف فرماتا بلکہ ان پر مہربان ہوتا ہے۔ اسی لئے حکم ہو رہا ہے کہ اللہ سے معافی مانگو بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

دعا و مناجات یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم، یا غفور، یا کریم، یا ذا الجلال والاکرام! آپ کا یہ بندہ ذلیل و عاصی آپ کے کرم و جود پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے آپ کی عظیم الشان جلیل المرتبت کتاب، قرآن کریم کی تفسیر عام فہم طریق پر برادران اسلام اور ہر ذوق سلیم رکھنے والے کے لئے پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کی تکمیل آپکے حیطۂ قدرت میں ہے۔ آپ ہی اسکے ہر طرح وکیل و کفیل ہیں۔ نیز اس میں جو جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اون کو میرے مالک آپ اپنے فضل و کرم اور عفو و رحمت سے معاف فرمادیں اور ہم سب کو توفیق دیجئے کہ اس کتاب مجید و فرقان حمید کی صحیح خدمت ہی ہمارا مقصد زیست بنا رہے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین سیدنا محمد و آلہ الکرام و اصحابہ العظام صلوٰات اللہ وسلامہ علیہ و علیہم دائمین متلازمین الی یوم القیام۔

تہجد حضور اکرم کے حق میں

یہاں ایک بحث یہ ہے کہ تہجد یا صلاۃ اللیل امتِ مرحومہ کے حق میں تو اسکی فرضیت منسوخ ہو چکی اور اس پر تمام علماء کا اتفاق بلکہ اجماع ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں اسکی حیثیت کیا تھی آیا تخفیف رکعات اور تخفیف قراءت کے بعد اسکی فرضیت آپ پر باقی تھی یا ذات اقدس سے بھی اسکی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی؟ اسمیں اختلاف ہے بعض حضرات کا قول ہے کہ تہجد حضور اکرمؐ پر فرض تھی۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ ومن اللیل فتہجّد بہ نافلۃ لک۔ اور کچھ رات جاگتے رہیۓ (قرآن کے ساتھ) اس میں اضافہ ہے آپ کیلئے" مگر دوسرے اصحاب کا یہ قول ہے کہ تہجد کی فرضیت آپ پر بھی باقی نہیں رہی تھی۔ انکی دلیل یہ ہے کہ اگر تہجد کی فرضیت باقی رکھنا منظور ہوتا تو نافلۃ علیک ارشاد ہوتا۔ کیونکہ وجوب کیلئے کلمہ علیٰ آتا ہے۔ یہاں نافلۃ لک ارشاد ہوا ہے اور لام وجوب کیلئے نہیں آتا۔ نیز یہ کہ جب صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اللہ سبحانہ نے لیغفر لک اللہ ما تقدّم من ذنبک وما تأخر فرمادیا ہے تو حضور اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں؟ تو اسکے جواب میں ارشاد ہوا۔ افلا اکون عبدا شکورا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں" اس سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ تہجد آپ کے حق میں نفل ہی رہ گئی تھی۔ اسکے علاوہ احادیث شریفہ میں ہے کہ آپ بحالت سفر تہجد یا صلاۃ اللیل سواری ہی پر ادا فرماتے تھے اور فرائض کے متعلق یہ دستور تھا کہ سواری سے اتر جاتے۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ تہجد

سید عالم کے حق میں بھی نفل ہی تھی۔

ایک سوال اور اس کا جواب یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ تہجد امۃ مرحومہ کی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی نفل ہی تھی تو فتهجد به نافلة لك کے ارشاد ہی کی ضرورت کیا تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفل نفل میں فرق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نفل موجب ترقی درجات ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ارشاد ہوا: عسىٰ ان يبعثك ربك مقاما محمودا۔ قریب ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں اٹھائے " اور امۃ مرحومہ کے حق میں تہجد تکفیر سیئات (برائیوں اور گناہوں کا کفارہ ہونے) کے لئے تھی۔ اسی وجہ سے ارشاد ہوا: وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ اور اللہ سے معافی مانگتے رہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے " اس سے معلوم ہوا کہ تہجد یا صلاۃ اللیل گناہوں کو بخشوانے کے لئے امت کے حق میں اکسیر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس میں سستی نہ کریں۔ جو موقع میسر ہے وقت کی قدر کریں۔

اب تہجد کا حکم تہجد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں نفل ہی سہی جب آپ نے ہمیشہ اسکی پابندی فرمائی خواہ یہ پابندی شکر گزاری کیلئے ہو یا ترقی درجات یا اور کسی وجہ سے تو امۃ مرحومہ کے حق میں اس کا اتباع سنت ہوگا اسکی تائید احادیث شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ ذكر عند النبي صلى الله عليه وسلم رجل فقيل له

مازال نائما حتی اصبح ما قام الی الصلاۃ قال ذلک رجل بال الشیطان فی اذنیه ۔ (بخاری و مسلم) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ایک شخص کا ذکر یوں آیا کہ وہ تمام رات سوتا ہی رہا ۔ (رات کی) نماز کو اٹھا تک نہیں ۔ اس پر آپ نے فرمایا وہ ایسا شخص ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے ۔" تارک تہجد کی نسبت ایسا عتاب اس امر کی دلیل ہے کہ تہجد سنت موکدہ ہے ۔ ایک حدیث شریف یوں ہے :۔ ان اللہ لیبغض کل جعظری جواظ سخاب بالاسواق جیفة باللیل حمار بالنہار عالم بامر الدنیا جاہل بامر الاخرۃ ۔ یقیناً اللہ سبحانہ کو ہر ایسا شخص ناپسند ہے جو موٹا بیٹلا ہو' بازاروں میں نعرے لگانیوالا' رات کو مردے کی طرح پڑا رہنے والا' اور دن کو گدھے کی طرح پھرنے والا' دنیوی معاملات سے خوب واقف' مگر آخرت سے ناواقف محض ۔" اللہ سبحانہ ہم کو اور تمام برادران اسلام کو توفیق دے کہ ہم وہ کام کریں جس سے حق سبحانہ تعالیٰ راضی و خوشنود رہے اور اس کے خلاف سے محفوظ و مامون رکھے آمین ۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی آله و اصحابه اجمعین ۔

سورۂ مزمل کی تفسیر ختم ہوئی بتوفیق اللہ وحسن تائیدہ فللہ الحمد ۔